www.shibliinternational.com

جولائی July 2021

ISSN: 2581-9216

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly **SADA E SHIBLI** Hyderabad

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی

قیمت: -/20 روپے

Issue41 شمارہ_Vol4 :جلد

جولائی 2021: July

ماہنامہ

حیدرآباد

صدائے شبلی

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری ☆ ڈاکٹر عبدالقدوس ☆ ابوہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، پروفیسر مظفر علی شہہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی، پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مفتی محمد فاروق قاسمی
مولانا ارشاد الحق مدنی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ، محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال، ڈاکٹر ناظم علی، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید امام حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، مولانا عبدالوحید ندوی، مولانا احمد نور عینی، ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابوہریرہ ایوبی، محسن خان

قیمت فی شمارہ: 20 سالانہ: 220
رجسٹرڈ ڈاک: 350- بیرونی ممالک: 50/ امریکی ڈالر
خصوصی تعاون: 1000

SADA E SHIBLI
A/c: 13271024000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

Mob: 9392533661 - 8317692718

Email: sadaeshibli@gmail.com

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli, Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۷
۴	غزل	سردار سلیم	۱۰
۵	نجات کا اٹل قانون	مولانا حبیب الرحمٰن	۱۱
۶	کتاب ''شبلی شناسی کے سو سال'' میری نظر میں	مولانا انصار احمد معروفی	۱۳
۷	شگوفہ کا باون سالہ سفر: بہ یک نظر	ڈاکٹر محمد انور الدین	۱۸
۸	غزل	ڈاکٹر خواجہ فرید الدین صادق	۲۳
۹	مولانا جامی کے کائنات نعت گوئی اور عشقِ رسول کا مطالعہ	ڈاکٹر صالحہ صدیقی	۲۴
۱۰	اجالوں کا بلاوا (افسانہ)	ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی	۲۹
۱۱	قمر جمالی کے ڈرامے 'سنگریزے' کا تنقیدی مطالعہ	صبیحہ سلطانہ	۳۱
۱۲	عرفان صدیقی کی شعری کائنات	احمد حسن	۳۴
۱۳	غزل	ابو ہریرہ یوسفی	۳۷
۱۴	والدین کی عظمت	محمد صالح انصاری	۳۸
۱۵	غزل	عفراء بتول سحر	۴۱

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابو سفیان** اعظمی، مقیم حال ممبئی... جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی** ۔صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد... مولانا **محمد منصور قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود** نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمرالدین**، نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم** ۔صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ماہ جولائی میں عیدالاضحیٰ ہے۔اوراسی ماہ میں حج بھی ہے۔عالمِ اسلام کے مستطیع غیر مستطیع اشخاص کے قلوب فریضہ حج ادا کرنے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔مگر کیا کیا جائے کرونا مہاماری کے ڈر اور احتیاط کی وجہ سے سعودی حکومت نے عالمِ اسلام کے لئے روک لگادی ہے جب کہ سعودی مقیم کے لئے زیادہ سے زیادہ فریضہ حج ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔آئیں ہم سب مل کر اللہ سے دعا کریں کہ آئندہ ہر مستطیع اور غیر مستطیع کے لیے اللہ تعالیٰ اس قدر حالات کو درست فرمائیں کہ سبھی کی فریضہ حج کی خواہش مکمل ہوجائے۔آمین

حج اور قربانی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خاص نسبت حاصل ہے۔اس وجہ سے ہمیں چاہئے کہ اس کے پس منظر کا مطالعہ کریں کہ حضرت ابراہیمؑ کیسے خلیل بن گئے۔اولاً حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں، چاند، سورج کو دیکھ کر رب ہونے کا تصور کیا تھا،لیکن جب یہ ڈوب گئے تو یہ کہا کہ ڈوبنے والے رب نہیں ہوسکتے بلکہ وہ رب ہوگا جو اس کائنات کا خالق ہے اس وجہ سے ہمیں چاہئے کہ مخلوق کو دیکھ کر خالق کو پہچانیں۔حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں سماج بت سازی، بت فروشی اور بت پرستی میں مبتلا تھا،خلیل اللہ نے نقلی اور عقلی دلائل سے سمجھانے کی کوشش کی اور ایک مضبوط مصلح کی طرح قوم کے سامنے کھڑے ہوگئے گھر والوں،قوم کے لوگوں حتیٰ کہ بادشاہِ وقت نمرود کے سامنے حق کی حقانیت کو پیش کیا، وہ لوگ اقرار کے بجائے انکار اور دشمنی پر اتر آئے حضرت ابراہیمؑ کی زندگی ختم کرنے کے لئے دہکتی آگ روشن کی، ابراہیمؑ کو ڈراتے ہوئے اس آگ میں پھینک دیا مگر بے خطر آگ میں کود پڑا آتش نمرود میں عشق اللہ رب العزت نے خلیل اللہ کے لئے آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والا بنادیا اور دنیا کے سامنے یہ پیغام دیا، کہ ''ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا۔تو آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا''، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے لئے ہجرت کی بیوی بچے کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ دیا، بچے کی پیاس بجھانے کے لئے بی بی ہاجرہ نے صفا اور مروہ کی سعی کی، اللہ نے بچے کی ایڑیوں سے زم زم نکال دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے منیٰ میں بچے کو ذبح کرنے کی پوری کوشش بھی کی۔مشیت الٰہی نے اس سنتِ ابراہیم کو آخری امت کے لئے تا قیامت جاری فرما کر یہ اعلان کردیا کہ اللہ کے لئے قربانی دین و دنیا میں اللہ سے قرب کا سبب بنتی ہے، اللہ ہماری قربانیوں کو قبول فرمائے۔آمین

ملک اور دنیا کی مشہور شخصیت جناب یوسف خان عرف دلیپ کمار اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے انہوں نے اردو زبان و ادب کے کئی اقوال اس طرح ادا کئے کہ جس کے انمٹ نقوش تا قیامت رہیں گے ادارہ انہیں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا، جس کا گنبد بہت بلند تھا، آپ نے دیکھا تو پوچھا کس نے بنایا ہے، لوگوں نے نام بتایا، آپ ﷺ چپ رہے، جب وہ حسب معمول خدمت اقدس میں آئے اور سلام کیا تو آپ نے منھ پھیر لیا، انھوں نے پھر سلام کیا، آپ نے پھر منھ پھیر لیا، وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی وجہ کیا ہے، جا کر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا، ایک دن آپ ﷺ بازار میں نکلے تو گنبد نظر نہ آیا، معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا، ارشاد فرمایا کہ ''ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لیے وبال ہے۔''

ایک دفعہ کسی نے کم خواب کی قبا بھیجی، آپ ﷺ نے پہن لی، پھر خیال آیا اور اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی، حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے اور عرض کی کہ آپ نے جو چیز ناپسند کی وہ مجھ کو عنایت ہوتی ہے، ارشاد ہوا کہ میں نے استعمال کے لیے نہیں بلکہ فروخت کے لیے بھیجی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فروخت کیا تو دو ہزار درہم اٹھے۔

ایک دفعہ کسی نے ایک مخطط جوڑا بھیجا، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا، وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے، آپ کے چہرہ پر غضب کے آثار پیدا ہوئے اور فرمایا کہ ''میں نے اس لیے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادریں بنائی جائیں۔''

مہر کرنے کی ضرورت سے جب آپ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تو پہلے سونے کی بنوائی، آپ کی تقلید سے صحابہؓ نے بھی زریں انگوٹھیاں بنوائیں، آپ ممبر پر چڑھے اور انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ ''اب نہ پہنوں گا'' صحابہؓ نے بھی اسی وقت اتار کر پھینک دیں۔

(جس طرح آپ ﷺ خود سادگی پسند فرماتے تھے، اسی طرح آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کے اہل وعیال بھی سادہ زندگی بسر کریں اور تکلف وتنعم سے پاک رہیں، عورتوں کو شریعت میں سونے کے زیور کا استعمال مباح ہے، مگر آنحضرت ﷺ اہلِ بیتِ کرام کے لیے اس بات کو بھی خلافِ اولیٰ تصور فرماتے تھے۔)

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تم کو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن (مسکتہ) دیکھے، فرمایا کہ اگر اس کو اتار کر ورس کے کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا۔

ایک دفعہ نجاشی نے کچھ زیور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیتاً بھیجے، ان میں ایک انگوٹھی تھی، جس میں حبشی پتھر کا نگینہ جڑا تھا، آپ کے چہرہ پر کراہت کے آثار ظاہر ہوئے لکڑی سے اس کو چھوتے تھے، ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیتاً بھیجا، آپ ﷺ نے پہن لیا اور اس کو پہن کر نماز ادا فرمائی، نماز سے فارغ ہو کر نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ نوچ کر اتار ڈالا، پھر فرمایا ''پرہیزگاروں کے لیے یہ کپڑے مناسب نہیں۔''

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

پروفیسر مظفر علی شہ میری

پروفیسر مظفر علی شہ میری (پ: ۳۰/ اپریل ۱۹۵۳ء) وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول اردو کے ممتاز استاذ، اہل قلم، ادیب، شاعر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ سنجیدگی، وقار، وضع داری اور شرافت کا نمونہ ہیں، مطالعہ گہرا اور فکر ونظر میں وسعت اور بلندی ہے۔ شبلی کے مداح ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جب وہ حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی میں استاذ تھے علامہ شبلی پر تحقیقی مقالہ لکھوایا اور ڈاکٹر محامد ہلال اعظمی نے ''مولانا شبلی کی اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ'' کے عنوان سے ان کی زیر نگرانی مقالہ لکھا جو طبع ہو چکا ہے۔

ابتدا میں علامہ شبلی کو شعرائے اردو کی صف میں جگہ نہیں ملی اور برسوں تک شاعر کی حیثیت سے ان کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا، سب سے پہلے سلام سندیلوی مصنف ''مطالعہ شبلی'' نے اس روش کے خلاف احتجاج کیا، ڈاکٹر مظفر علی شہ میری کو بھی اس کا احساس ہے، اس کا سبب بھی انھوں نے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''مولانا شبلی کا نام لیتے ہی ان کی معروف نثری تصانیف شیشہ ذہن پر ابھر آتی ہیں اور بہت کم کسی کا دھیان ان کی شاعری کی طرف جاتا ہے۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی تخلیق کار، محقق یا ناقد کے نثری اور شعری کارنامے موجود ہوں اور دونوں کو یکساں طور پر مقبولیت حاصل ہوئی ہو، استثنائی صورت میں ہم مرزا غالب کا نام لے سکتے ہیں جن کی شاعری کے ساتھ ساتھ ان کے خطوط کو بھی بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مولانا شبلی کا اچھا خاصا شعری ذخیرہ موجود ہونے کے باوجود ہمارے ناقدین نے کما حقہ اس پر توجہ نہیں فرمائی، بڑی وجہ اس کی یہی سمجھ میں آتی ہے کہ مولانا موصوف کا نثری سرمایہ اس قدر وافر مقدار میں ہے کہ وہ ان کے مختصر سے شعری سرمائے پر غالب آ گیا''۔ (مولانا شبلی کی اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ ص ۷)

یہی احساس تھا کہ انھوں نے علامہ کی شاعری پر تحقیقی مقالہ قلم بند کرایا، اب اس موضوع پر خاصا کام ہو چکا ہے، ڈاکٹر مطیع الرحمٰن نے پوروانچل یونیورسٹی سے علامہ شبلی کی شاعری پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند لی ہے جسے عدیلہ پبلی کیشنز مئوناتھ بھنجن نے شائع کیا ہے۔

شمیم طارق

شمیم طارق (پ: ۸/ اگست ۱۹۵۳ء) ممتاز اہل قلم، ادیب، شاعر، نقاد، صحافی اور محقق ومصنف ہیں۔ ان کے قلم سے متعدد اہم کتابیں نکل چکی ہیں غالب اور

۱۸۵۷ء ان کی اہم کاوش ہے۔ انھوں نے علم وادب کی خدمت میں ایک عمر گذاری ہے اور آج بھی سرگرم عمل ہیں۔

ہارون اعظمی مرحوم نے بمبئی میں مولانا عبدالسلام ندوی فاؤنڈیشن قائم کیا تو شمیم طارق صاحب نے ان کا بڑا تعاون کیا، سمیناروں میں بھی اور کتابوں کی جمع وترتیب اور طبع واشاعت میں بھی۔ افسوس ہارون اعظمی کے ساتھ یہ فاؤنڈیشن بھی مرحوم ہوگیا۔

مولانا عبدالسلام ندوی فاؤنڈیشن کے لئے جناب شمیم طارق نے کتب خانوں سے متعلق مولانا عبدالسلام ندوی کے مقالات کو ''مشرقی کتب خانے'' کے عنوان سے مرتب کیا اور اس پر ایک بڑا قیمتی مقدمہ لکھا۔ یہ مقدمہ کتب خانہ کے حوالہ سے انتہائی معلومات افزا ہے بلکہ اپنے موضوع پر نہایت قیمتی مقالہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اس میں نہ صرف مولانا عبدالسلام ندوی کے مقالات پر گفتگو ہے بلکہ مسلمانوں کے شوق علم اور ان کے کتابوں اور کتاب خانوں سے شغف کے ساتھ خاص طور پر دبستان شبلی کی کتب شناسی کا تفصیل سے ذکر ہے۔ علامہ شبلی کا ذوق مطالعہ، کتب بینی اور نادر کتابوں کی تلاش وجستجو کا شوق مثالی تھا، نسبتاً اس موضوع پر کم لکھا گیا ہے، اس لئے اس دیباچہ کے شبلی سے متعلق مندرجات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

شمیم طارق علامہ شبلی کی کتب خانوں سے دلچسپی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علامہ شبلی نے کتب خانوں سے متعلق جو مضامین لکھے یا اپنے سفرنامے میں جن کتب خانوں کا حال لکھا ہے ان سے کتب خانوں کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہی ہے، ان میں موجود قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی تفصیل اور ان کے انتظام ونظام سے بھی واقفیت ہوتی ہے''۔ (مشرقی کتب خانے ص ۱۶)

یہی نہیں انھوں نے کتب خانوں کی خصوصیات کے ساتھ وہاں موجود نسخوں کی صحت وعمدگی پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ ان پر اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں''۔ (ایضاص ۱۷)

برادر مکرم شمیم طارق نے علامہ شبلی کی کتب خانے کے متعلق معلومات کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''ایک تیسری بات جو علامہ شبلی کے مضامین ومقالات سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ ان کی نظر صرف کتب خانوں کی تاریخ پر نہیں ان کے نظام ترتیب پر بھی تھی جس کو موجودہ دور میں Library Science کہا جاتا ہے۔ سرکاری کتب خانہ رام پور (رضا لائبریری) کا معائنہ کرنے کے بعد انھوں نے Visit رجسٹر پر نوٹ لکھ کر نہ صرف اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا تھا بلکہ ۱۳ر دفعات میں کتابوں کی فہرست سے متعلق تجاویز پیش کرکے یہ بھی ثابت کردیا تھا کہ انھیں اس بات کا دوسروں سے زیادہ ادراک وشعور ہے کہ کتب خانوں میں کتابیں کس طرح یا کس ترتیب سے رکھی جائیں''۔ (ایضاص ۱۸)

شمیم طارق صاحب کا یہ بھی خیال ہے کہ کتاب اور کتاب خانوں سے دلچسپی علامہ شبلی کے تلامذہ سید سلیمان ندوی اور عبدالسلام ندوی نے بھی پورے طور پر لی اور یہ سلسلہ دیگر رفقائے دارالمصنفین کے یہاں بھی کافی اہمیت کا

حاصل رہا، بلکہ وہ تو دارالمصنفین کے بنیادی مقاصد کو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی قرار دیتے ہیں۔(ایضاص ۹۔۱۰)

مولانا عمیر الصدیق ندوی

مولانا عمیر الصدیق ندوی دریابادی (پ: دسمبر ۱۹۵۳ء) دارالمصنفین کے رفیق اور ماہنامہ معارف کے معاون مدیر ہیں، وہ ہندوستان کے ممتاز اہل قلم اور محقق ومصنف ہیں، ان کے قلم سے چند کتابیں اور متعدد مضامین نکل کر مقبول ہو چکے ہیں۔ وہ گذشتہ تیس سال سے ماہنامہ معارف میں مطبوعات جدیدہ پر تنقید وتبصرہ لکھ رہے ہیں، وفیات تو اس قدر لکھی ہیں کہ اگر انھیں جمع کیا جائے تو کئی جلدیں شائع ہوسکتی ہیں، انھیں تحریر وتصنیف کا خاص ہنر آتا ہے، خاص طور پر ان کی نثر میں جو شیرینی اور شگفتگی ہے وہ انھیں کا حصہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ دبستان شبلی کی آبرو اور اس سلسلہ زریں کی آخری کڑی ہیں جس کا سرا شبلی سے جاملتا ہے۔ اللہ ان کی عمر میں برکت دے۔

مولانا عمیر الصدیق ندوی نے علامہ شبلی کی حیات وخدمات کے مختلف موضوعات پر متعدد مضامین لکھے ہیں اور بہت سے خطبات بھی دیئے ہیں اور شبلی سے متعلق کئی کتابوں کے مقدمے ان کے قلم سے ہیں، ڈاکٹر شاداب عالم کی کتاب ''تنقیدی مباحث اور شبلی کا نظام نقد'' کی تقدیم خاص طور پر قابل ذکر ہے، اس سے جہاں شبلی اور علوم وافکار شبلی پر ان کی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں عہد حاضر کی شبلی شناسی پر ان کی گہری نظر کا پتہ دیتا ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''۱۔ علامہ شبلی انیسویں صدی کے اواخر میں ہندوستان کی ان چند شخصیات میں ہیں جن کے کاموں کے تنوع بلکہ تضادات کے باوجود متفقہ نہ سہی لیکن عام طور پر اعتراف کیا گیا کہ وہ ہمہ گیر، ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے سب سے بڑے اور غالباً سب سے مستند سوانح نگار نے ان کی ہمہ جہتی اور ہمہ گیری کے جو ابعاد وجہات شمار کئے ہیں وہ مدح وتوصیف کی کامل شان رکھنے کے باوجود اب تک مدلل مداحی کی قدح سے مامون ومحفوظ ہیں۔ عالم، مورخ، سیرت نگار، معلم، مصلح، ادیب، انشاپرداز، سخنور وانقلابی اور بھی ہیں لیکن بیک وقت ان تمام اوصاف وکمالات کے جامع کی نادر تصویر یقیناً علامہ کی زندگی کا مرقع ہے''۔(تنقیدی مباحث اور شبلی کا نظام نقد ص ۹)

۲۔ ''شعرالعجم اور موازنہ انیس ودبیر تو شبلی کے ادبی خزانہ عامرہ کا راس المال ہیں۔ ان کی چند ادبی تحریریں اور خطوط بھی شبلی کی ادبی وتنقیدی ٹکسال کے زر خالص کے طور پر دیکھی گئیں۔ اور اردو تنقید کے آسمان پر وقفے وقفے سے تجلیوں کی نمائش ہوتی رہی کہ شبلی نے موازنہ انیس ودبیر کے کلاسیکی فارمولے میں فصاحت وبلاغت جیسی دو ترکیبوں کو تعین قدر کا پیمانہ بنایا۔ مشرقی شعریات میں خصوصاً مرثیہ گوئی میں ان دونوں کو جو اہمیت حاصل ہے، جدید نقطہ نظر خواہ کچھ بھی سمجھے یا سمجھائے لیکن شبلی کا پیمانہ قابل لحاظ ہے''۔(ایضاص ۱۰)

۳۔ ''ایک نقاد نے شبلی کے اس قول کی واقعیت کو کھرا قرار دیا کہ شاعری کا دوسرا نام

قوت احساس ہے۔ پہلے نام سے سب واقف ہیں کہ شاعری وجدانی اور ذوقی چیز ہے۔ اس قول نے بھی اردو تنقید کی صالحیت وسالمیت کا احساس فزوں کیا کہ شبلی نے صوتی رمزیت کے نکتہ کو واضح کیا کہ وہ صورت ومعنی کے امتزاج کو پہچانتے تھے۔ فصاحت وبلاغت کو غور سے دیکھا جائے تو یہ دراصل تشکیل اسلوب کا مسئلہ ہے۔ آج جدید لسانیات میں اسلوبیات کی عمارت کی بنیاد شبلی ہی کی دین ہے''۔ (ایضاص ۱۱)

مہ جبیں زیدی

شعبہ اردو کراچی یونیورسٹی کی سابق استاذ ڈاکٹر مہ جبیں زیدی نے شبلی صدی کے موقع پر علامہ شبلی کو یاد کرتے ہوئے ایک ضخیم کتاب ''علامہ شبلی نعمانی صدی کے آئینے میں'' مرتب کی ہے جسے کراچی کے مشہور مکتبہ قرطاس نے شائع کیا ہے۔ ۵۱۲ رصفحات کی اس ضخیم کتاب میں ''علامہ شبلی کے حالات وسوانح اور ان کے عظیم الشان کارناموں پر اہل علم ونظر کے مقالات ومضامین جمع کئے گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سے ایک صدی میں شبلی پر جو عمدہ مقالات لکھے گئے اور جس طرح ان کی عظمتوں کا اعتراف کیا اس کا پورا مرقع سامنے آجاتا ہے۔ مضامین کا انتخاب بھی قابل داد ہے۔

ڈاکٹر مہ جبیں زیدی نے اس پر عمدہ مقدمہ لکھا ہے جس مین علامہ شبلی کے حالات، شاعری، تصانیف اور ان کی متنوع شخصیت کا ذکر کیا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ماہر القادری اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے ایک ایک مقالہ سے طول طویل اقتباسات دے کر شبلی کے متنوع کارناموں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مقدمہ میں ماہر القادری کے حوالہ سے یہ ذکر خاص اہمیت رکھتا ہے کہ علامہ شبلی کی مشہور نظم عدل جہانگیری کے مرکزی خیال کو لے کر ایک فلم ''پکار'' تیار کی گئی۔ (علامہ شبلی صدی کے آئینے میں، مقدمہ ص ۱۴)

سردار سلیم۔ حیدرآباد

غزل

چہچہاتی ہوئی چڑیوں سے کوئی بات کرو
بھول کر خود کو پرندوں سے ملاقات کرو
جاگو دریا کے کنارے کبھی سورج کی طرح
کسی سنسان سے جنگل میں کبھی رات کرو
سارے موسم ہیں تمہارے تمہیں کس بات کا غم
بھیگی آنکھوں سے ہنسو دھوپ میں برسات کرو
کب کہا میں نے کہ بس پیار ہی کرتے جاؤ
تم اگر چاہو تو جھگڑا بھی مرے ساتھ کرو
اے غریبو! ہے امیروں کی گزارش تم سے
تھوڑی سی نیندوں کی اور خوابوں کی خیرات کرو
داستانیں ہی بیاں کرتے رہو گے کب تک
اک دو سچائیاں بھی شامل نغمات کرو
پہلے مخلوق کی خوشیوں کا رکھو دھیان سلیم
بعد میں خالق اکبر کی مناجات کرو

مولانا حبیب الرحمن۔حیدرآباد

نجات کا اٹل قانون

دعاؤں میں واسطہ یا وسیلہ کو ثابت کرنے کے لیے قرآنی لفظ ''الوسیلۃ'' پیش کیا جاتا ہے، جو حسب ذیل ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھنڈو اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔

عربی لفظ ''اَلْوَسِیْلَۃَ'' کے لفظ ''الوسیلۃ'' کے ہم معنی قرار دینا قطعی غلط ہے چنانچہ قرآنی لفظ ''اَلْوَسِیْلَۃَ'' معنی قرب کے ہیں۔قرب تلاش کیا جاتا ہے لیا نہیں جاتا۔یہاں وسیلہ لینا اگر مراد ہوتا تو اَبْتَغُوْا ''تلاش کرو'' کی بجائے خُذُوْا'' پکڑو یا لو'' کا حکم ہوتا۔جس کی تصدیق جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ ''اس کے راستے میں جہاد کرو'' کے حکم سے ہو جاتی ہے۔یعنی قرب تلاش کرنے کا واحد طریقہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر عمر بھر یہی کام کرتے رہے۔قرب سے مراد مکانی وزمانی قرب نہیں بلکہ رحمتِ الٰہی کا زیادہ سے زیادہ مستحق ہونے کی اور اس کے عذاب سے ڈر کر نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرنا ہے۔ چنانچہ بگڑی بنانے کے لیے اللہ کو چھوڑ کر پیر، پیغمبروں کو پکارنے والوں سے یہ کہا گیا کہ ''یہ تمہارے پیر پیغمبر خود مرتے دم تک اپنے رب کا قرب ڈھونڈتے رہے کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ قریب ہو جائے (رحمت کا زیادہ مستحق ہو جائے) وہ خود مرتے دم تک اپنے رب کی رحمت کے امیدوار اور خود مرتے دم تک اس کے عذاب سے ڈرتے رہے'' (بنی اسرائیل ۵۶، ۵۷)۔

ملحوظ رہے کہ دعا کی قبولیت کے لیے کسی پیغمبر نے کبھی بھی اپنے خالص ترین اعمال کا نہ واسطہ دیا نہ وسیلہ لیا، کیونکہ کسی بھی بندے کی یہ حیثیت ہو ہی نہیں سکتی کہ وہ رب کو اپنی دعا قبول کرنے کے لیے اپنے عمل کا واسطہ دے یا وسیلہ لے۔ حصولِ قرب کے اس طریقے کے سوا دوسرا طریقہ اختیار کرنا نری گمراہی ہے جس کا انجام ابدی جہنم ہے۔

دنیا میں بلا اسباب وذرائع کے ایک بھی ضرورت کا پورا ہونا ناممکن ہے۔اس قسم کی مثالیں دے کر دعا میں واسطہ، وسیلہ لینا شیطانی مغالطہ ہے۔کیونکہ دعا کوئی مادی ضرورت نہیں کہ اس میں اسباب کی ضرورت ہو بلکہ یہ ایک معنوی ضرورت ہے۔ جھوٹی احادیث واقوال سے اس مسئلہ کو گڈمڈ کر دیا جاتا ہے حالانکہ اللہ کے لیے مخلوق کی مثال دینے سے منع کر دیا گیا ہے۔فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ

الْاَمْثَالَ (النحل ۷۴) ''پس تم اللہ کے لیے مثالیں مت گھڑو''۔

عبادت میں جب واسطہ ووسیلہ نہیں تو مغزِ عبادت دعا میں واسطہ وسیلہ کی بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر وعبادالرحمٰن بلاواسطہ ووسیلہ راست اللہ ہی سے دعا کئے ہیں۔ دعا کی قبولیت کے لیے ایمان کی بھی شرط نہیں ہے۔ تمام انسانوں کی دعائیں بلاواسطہ ووسیلہ اور بغیر درود کے قبول ہورہی ہیں۔ غیر مسلم اور اللہ کے وجود ہی کا انکار کرنے والے نہ صرف پرورش پارہے ہیں بلکہ واسطہ وسیلہ لینے اور درود پڑھنے والوں پر حکومت بھی کررہے ہیں۔

بچہ کی پرورش کے لیے ماں کو جب کسی واسطہ وسیلہ کی ضرورت نہیں تو ماں باپ سے ستر (۷۰) گنا زیادہ محبت کرنے والے پروردگار کو واسطہ وسیلہ اور درود کی ضرورت کیسے ہوسکتی ہے؟

آدم علیہ السلام کا اپنی توبہ کی قبولیت کے لیے نبی ﷺ کا واسطہ دینا آپ کا وسیلہ لینے والی حدیث قطعی جھوٹی ہے۔ یہ ''موضوعات کبیر'' میں موجود ہے۔ اس کتاب میں ملاعلی قاریؒ نے جھوٹی حدیثوں کو جمع کیا ہے۔

دوسرے یہ کہ قرآن سے قطعی ثابت ہے کہ آدم اور حوا علیہما السلام کی توبہ جنت ہی میں قبول کرلی گئی تھی۔ چنانچہ سورہ البقرہ آیت ۳۶ میں اُهْبِطُوْا ''نیچے اتر جاؤ'' اور اس کے بعد کی آیت میں فرمایا گیا فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ''پس آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے'' اس کے بعد کی آیت ۳۸ میں دوربارہ اِهْبِطُوْا کا لفظ آیا ہے۔ یہاں صرف کلمات کے سیکھنے کی بات بیان ہوئی ہے اور اس کی تفصیل سورہ اعراف ۲۳ میں دی گئی ہے، جو ذیل میں بیان ہوئی ہے۔ ان آیات سے ہر عقل سلیم رکھنے والا یہی کہے گا کہ آدم اور حوا علیہما السلام کی توبہ جنت ہی میں قبول کی گئی۔ تیسرے آدم علیہ السلام اپنے رب سے جو کلمات سیکھے وہ یہ ہیں۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف) ''دونوں (آدمؑ وحواؑ نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کرلیا ہے، اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو واقعی ہم گھاٹا پانے والوں میں سے ہوجائیں گے''۔

اُن کی توبہ قبول کرنا اللہ کے قانون توبہ سورہ النساء ۱۷ کے تحت اللہ ہی کے ذمہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کی آیت ۲۴ میں فرمایا اِهْبِطُوا نیچے اتر جاؤ۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ سورہ طٰہٰ میں ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ''پھر اس کے رب نے اس کو منتخب کیا اور اس کی توبہ قبول کی اور راہ دکھائی'' ملحوظ رہے کہ اس آیت میں ثُمَّ ''پھر'' کا لفظ صاف بتارہا ہے کہ آپؑ کی نافرمانی کو بخش دیا گیا اور آپؑ کی نافرمانی کا لفظ اس سے پہلے کی آیت ۱۲۱ میں ہے اور آیت ۱۲۳ میں اِهْبِطَا ''تم دونوں اتر جاؤ'' کا لفظ آیا ہے۔ قرآن میں اس قدر صاف صاف وضاحت کے بعد بھی دعا میں واسطہ وسیلہ لینے والے غور کرلیں کہ وہ کسی سنگین اور فاش غلطی کررہے ہیں۔

(آخری قسط)

مولانا انصار احمد معروفی۔ پورہ معروف مئو (اتر پردیش)

کتاب ''شبلی شناسی کے سو سال'': میری نظر میں

علامہ شبلی کی حیات و خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے اسلامیہ کالج چنیوٹ کے سہ ماہی رسالہ ''البصیر'' نے ۱۹۵۶ء میں شبلی نمبر نکالا۔ اس کے مدیر پروفیسر حافظ عبید اللہ خاں تھے۔ اس میں خاص مضمون مولانا سعید انصاری کا تھا، جسے انہوں نے شبلی کی عربی زبان میں خدمات کے عنوان سے لکھا تھا۔ یہ نمبر ۲۰۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے دیگر قلمکاروں میں سید صباح الدین عبدالرحمٰن بھی شامل ہیں، انہوں نے ''دارالمصنفین اور اس کی خدمات'' کے عنوان سے مضمون لکھا۔ اس مضمون کے متعلق مصنف نے تحریر کیا ہے کہ اس میں ''دارالمصنفین کی تمام کارگذاریوں کی روداد قلم بند کردی گئی ہے، مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ اس مقالہ میں اس کے بانی علامہ شبلی کا کہیں ذکر نہیں، بلکہ صراحتاً دارالمصنفین کا بانی مولانا سید سلیمان ندوی کو قرار دیا گیا ہے۔۔۔۔۔ پھر انہوں نے سید صباح الدین کا اقتباس نقل کرنے کے بعد وضاحت کی ہے کہ ''سارا زمانہ جانتا ہے کہ دارالمصنفین علامہ شبلی نے قائم کیا، سیرۃ النبی سے اس کا آغاز ہوا، انہوں نے اس کے اصول وضوابط بنائے، اپنی اور اپنے اعزہ کی قیمتی زمینیں اس پر وقف کیں۔۔۔ اس کے باوجود سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب جیسے ذمہ دار شخص کا ان کے بجائے مولانا سید سلیمان ندوی کو بانی قرار دینا سمجھ سے بالاتر ہے'' اب اس کے بعد سید صباح الدین عبدالرحمٰن کا مضمون دیکھیے ''اس ادارہ کے بانی اور پہلے ناظم مولانا سید سلیمان ندوی تھے۔ ان کی کتاب ارض القرآن جلد اول سے دارالمصنفین کے تصنیفی کام کی ابتدا ہوئی''۔ البصیر شبلی نمبر، ص ۶۔ بحوالہ ''شبلی شناسی کے سو سال''۔ ص ۸۸۔

اس نمبر میں شیخ عطاء اللہ کا مقالہ ''شبلی ایک پین اسلامسٹ'' ہے۔ پروفیسر محمد ظفر خان نے ''سوانح مولانا روم کی روشنی میں علامہ شبلی کی تحقیقات'' کا مفصل جائزہ لیا ہے۔ ایک مقالہ ڈاکٹر سید عبداللہ کا ہے، جو ''شبلی کے تصنیفی کام کی مجموعی قدر و قیمت'' کے عنوان سے ہے۔ جس میں ایک جگہ مضمون نگار لکھتے ہیں ''شبلی علما میں مقبول نہ ہو سکے، باقی رہے جدید تعلیم یافتہ حضرات، سو انہیں شبلی کی ماضی پرستی سے قدرتاً کچھ دلچسپی نہیں ہو سکتی''۔۔۔ پھر آگے لکھتے ہیں ''البتہ اردو ادب میں انہوں نے وہ مقام حاصل کیا جس میں ان کی یکتائی کو ان سے کوئی چھین نہیں سکتا''۔ ص ۹۰۔ اس کے متعلق ڈاکٹر الیاس نے شبلی کے دفاع میں جو بات لکھی ہے وہ بہت معتدل اور سنجیدگی سے لکھی ہے'' ڈاکٹر سید عبداللہ کے مذکورہ خیالات سے انتہا پسندی ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ علامہ شبلی علما میں یکسر نا مقبول نہیں تھے۔ علما کا ایک بڑا طبقہ ان کا گرویدہ، فضل وکمال کا معترف اور ان کی تصنیفات کا بڑا قدرداں تھا، جس میں بعض علمائے دیوبند بھی شامل تھے۔ اسی طرح اردو ادب میں بلاشبہ وہ یکتا اور یگانہ تھے، مگر ان کے کارنامے حرف آخر نہیں''۔ ص ۹۰۔

ڈاکٹر الیاس نے ایک مقالہ ''شبلی متکلم'' کا ذکر کیا ہے جسے ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی نے لکھا ہے۔ ایک مضمون ''شبلی و سرسید کے تعلقات'' سے متعلق ہے جسے خان بہادر شیخ عبداللہ نے لکھا ہے، اس کی بابت الیاس صاحب لکھتے ہیں ''علامہ شبلی کانگریس کے حامی تھے۔ سرسید کا نقطۂ نظر اس کے برعکس تھا۔ مضمون نگار لکھتے ہیں ''مولانا شبلی مرحوم مولوی تو تھے لیکن کٹھ ملا نہیں تھے۔ مولوی سلیمان صاحب نے ان کو سرسید کے مدمقابل اور ان کے خیالات سے انحراف کرنے والا ثابت کیا ہے، لیکن میں واقفیت کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ندوی صاحب کی غلطی تھی''۔ یہ اقتباس طویل ہے، جو پڑھنے تعلق رکھتا ہے، اس کے متعلق صاحب کتاب نے لکھا ہے کہ ''حیات شبلی (کتاب، مصنف سید سلیمان ندوی) کے اس طرح کے کئی اور مندرجات سے اختلاف کی گنجائش ہے''۔ ص ۹۲۔

ایک مضمون مقتدی خاں شیروانی کا ہے، اسے انہوں نے ''شبلی کے علی گڑھ میں قیام'' کے متعلق لکھا ہے اور ایک مقالہ البصیر کے شبلی نمبر میں پروفیسر عبدالحی کا شامل ہے جو شبلی کی ادبی حیثیت سے متعلق ہے۔ اسی میں ایک اور مضمون مولانا اسماعیل ندوی کے قلم سے ہے، انہوں نے علامہ شبلی کی مختلف جہتوں پر اظہار خیال کیا ہے، انہوں نے الیاس کے بقول سیرت النبی کا عربی ترجمہ بھی کیا ہے، مگر وہ ابھی تک

شائع نہیں ہوسکا ہے۔ص ۹۳۔اس نمبر کا آخری مضمون ''مولانا شبلی کیا تھے؟'' سید صباح الدین کے قلم سے ہے۔جس کے متعلق الیاس صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ''حق یہ ہے کہ حق ادا کردیا ہے''۔ص ۹۳۔

ماہنامہ ''درس'' علی گڑھ کا شبلی نمبر مصنف کو دستیاب نہیں ہوسکا۔اس کے بعد جامعہ اردو علی گڑھ کے رسالہ ''ماہنامہ ادیب'' نے ستمبر ۱۹۶۰ء میں شبلی نمبر شائع کیا اس کے مدیر ڈاکٹر ابن فرید تھے۔ یہ نمبر تقریباً ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کے مطابق ''اس کا حرف آغاز ڈاکٹر ابن فرید اور پیش لفظ دبستان شبلی کے صاحب اسلوب ادیب وانشاپرداز مولانا عبدالماجد دریابادی کے قلم سے ہے۔ڈاکٹر ابن فرید نے اسے درج ذیل ابواب میں تقسیم کیا ہے

۱۔عالم، مفکر مؤرخ

۲۔مصنف، ناقد، شاعر

۳۔ادیب، انشاپرداز، صاحب قلم

۴۔جلوہ صدرنگ

۵۔مخطوطات

اس میں ملک کے نامور قلم کاروں کے مضامین شامل ہیں، جن میں بابائے اردو مولوی عبدالحق بھی ہیں، جو شبلی کے شاگرد تھے۔جن کے بارے میں الیاس صاحب نے لکھا ہے کہ ''مذکورہ بالا مضمون ان کی اخیر عمر کا ہے۔انہیں جب جب موقع ملا علامہ شبلی پر تنقید بلکہ تنقیص کی، پہلے گلشن ہند کے ایک حاشیے میں سخت تنقید کی، پھر خطوط شبلی کے مقدمے میں عطیہ فیضی (۱۸۷۷۔۱۹۶۷ء) سے ان کے خلوص ومحبت کی ایسی داستان گھڑی کہ مطالعہ شبلیات کا رخ ہی بدل دیا''۔ص ۹۹۔جس کے جواب میں اسی ادیب کے شبلی نمبر میں ڈاکٹر ابن فرید نے ایک مضمون ''شبلی چوں خلوت می رود'' کے عنوان سے تحریر کیا، اس کے متعلق مصنف نے لکھا ہے ''انہوں نے خطوط شبلی، دستہ گل اور بوئے گل کے حوالے سے بابائے اردو، ڈاکٹر وحید قریشی، اور شیخ محمد اکرام وغیرہ کے اعتراضات و الزامات کے جالے کو انہیں کے اسلوب میں صاف کیا ہے''۔ص ۱۰۰۔اس کے علاوہ اس نمبر میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کا بھی مقالہ شامل ہے۔ساتھ ہی ایک اہم مضمون مولانا سعید انصاری کا ''مہارت علم الکلام'' کے سلسلے میں ہے، انہوں نے اس میں شبلی کی ''الکلام، علم الکلام'' کا جائزلیا ہے۔لیکن علم کلام سے متعلق بعض اہم مباحث ذکر کرنے سے رہ گئے ہیں ،جس کے متعلق ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے تحریر کیا ہے کہ ''مولانا سعید انصاری نے ان مباحث کو سرے سے نظرانداز کردیا ہے جس پر بعض علما نے کفر کا فتویٰ جاری کیا تھا اور جس کی مولانا سید سلیمان ندوی نے ''الکلام'' کے دیباچے میں صراحت کی ہے''۔ص ۱۰۲۔مولانا مذکور کا ایک اور مضمون اسی شبلی نمبر میں ''شبلی عالمی ادیب وشاعر'' کے عنوان سے موجود ہے، جس کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے کہ ''یہ اپنی نوعیت کا منفرد مطالعہ شبلی ہے'' اس مضمون سے ایک اقتباس مصنف نے اس طرح پیش کیا ہے: ''اس لائق وفائق نثر ونظم میں (جو پیش کی گئی تھی) بعض نمونے ایسے ہیں جن کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی، بعض ایسے بھی ہیں جو دنیا کی تمام زبانوں میں اپنا جواب نہیں رکھتے'' ادیب شبلی نمبر۔ص ۱۹۳۔بحوالہ ''شبلی شناسی کے سو سال'' ص۔۱۰۲۔اسی موضوع پر ڈاکٹر سلام سندیلوی نے بھی مضمون لکھا ہے۔ایک مضمون گیان چند جین کا ''شبلی کی مثنوی ''صبح امید'' کے عنوان سے ہے، اس کی بابت مصنف رقم طراز ہیں کہ ''یہ مطالعہ اہمیت رکھتا ہے'' نیز مصنف نے ڈاکٹر محمود الٰہی کے مضمون ''شبلی کی قصیدہ نگاری'' کی ستائش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''انہوں نے شبلی کی قصیدہ نگاری اور اس کی خصوصیات کا عمدہ تجزیہ پیش کیا ہے''۔ص ۱۰۵۔

شبلی کی اردو شاعری میں سیاسی شاعری ایک اہم پہلو ہے، اس موضوع پر پروفیسر صدیق احمد صدیقی کا مقالہ شامل ہے، نیز ''شبلی کا سیاسی شعور'' مضمون احمد اسحاق نعمانی کے قلم سے ہے۔اسی موضوع پر مفتون احمد نے بھی قلم اٹھایا ہے۔حافظ محمود شیروانی نے ''تنقید شعرالعجم'' کے حوالے سے ان کے محقق ہونے کے بارے میں مضمون لکھا ہے۔شبلی کے محقق ہونے کو درست ٹھہراتے ہوئے مرزا احسان احمد نے مقالہ تحریر کیا ہے اور مصنف کے بقول ''اپنے مقالہ میں ان کی تحقیقی بصیرت وبصارت دکھلائی ہے، خاص طور پر ان کی محققانہ تصنیفات سے متعدد مضبوط دلائل پیش کیے ہیں''۔ص ۱۰۷۔شبلی کی فارسی ادب میں خدمات کے تعلق سے دو مضمون شامل ہے، ایک ماہر القادری کا، دوسرا ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کا۔مولانا عبدالسلام ندوی نے شبلی کی فارسی غزلوں پر تبصرہ کیا ہے، اور ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی نے شبلی کی فارسی شاعری کا جائزہ لیا ہے۔ڈاکٹر سیدہ جعفر نے ''مقالات شبلی'' کے عنوان سے مقالہ تحریر کیا ہے، اور ڈاکٹر سید ناصر حسین نے شبلی کی انشاپردازی کا جائزہ لیا ہے۔مگر مصنف نے لکھا ہے کہ ''اصل موضوع پر انہوں نے کم ہی لکھا ہے، غیر ضروری باتیں اس مقالہ میں زیادہ راہ پاگئی ہیں''۔ص ۱۱۵۔اسی شبلی نمبر میں مولانا مجیب اللہ ندوی کا مقالہ ''شبلی کی سوانح نگاری'' شامل ہے۔انہوں نے شبلی سوانح

نگاری سے متعلق کئی خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے، اور خوبیوں کے ساتھ شبلی کی بعض کمیوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ جس کے دفاع میں مصنف نے کئی سطر لکھی ہے۔ اردو کے مشہور نقاد ڈاکٹر عبادت بریلوی نے شبلی کی تنقید نگاری کا جائزہ پیش کیا ہے۔ مصنف نے ان کے مقالے کے متعلق لکھا ہے ''نظری اور عملی تنقید کے ہر پہلو کو پیش نظر رکھ کر ان کی تنقیدی بصیرت واضح کرنے کی کوشش کی ہے'' عبادت صاحب نے لکھا ہے ''ان کی تنقید تجزیاتی نہیں ہے، اسی لیے اس میں گہرائی کم ہے''۔ اس کے متعلق مصنف لکھتے ہیں ''بلاشبہ شبلی کی تنقید تجزیاتی نہیں ہے، لیکن شبلی کے یہاں گہرائی کی کمی نہیں، دراصل تجزیے کی کمی کی وجہ سے یہ رائے قائم کرلی گئی ہے''۔ ص ۱۱۸۔

تنقیدی موضوع پر ڈاکٹر سید احتشام حسین نے ''موازنہ انیس و دبیر'' پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ اسی کے ساتھ مولانا سید سلیمان ندوی اور شبلی کے تعلقات اور عقیدت سے متعلق مضمون مولانا غلام محمد کے قلم سے شامل ہے۔ اور سید مرتضی حسین بلگرامی نے شبلی پر سرسید کے اثرات کی اپنے مضمون میں نشاندہی کی ہے۔ مگر مصنف نے ان کے مضمون کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے ''بلاشبہ شبلی پر سرسید کے اثرات مرتب ہوئے اور واقعہ یہ ہے کہ علی گڑھ کی فضا ہی نے انہیں پر پرواز عطا کی، مگر مقالہ نگار نے اثرات سرسید کی نشاندہی میں مبالغے سے بھی کام لیا ہے، اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ شبلی کو اگر سرسید کی صحبت نہ ملتی تو شبلی شبلی نہ ہوتے کچھ اور ہوتے''۔ مگر یہ حقیقت نہیں کیونکہ سرسید کی صحبت بہت سے لوگوں کو میسر آئی پھر ان میں شبلی کون بن سکا؟''۔ ص ۱۲۲۔

ڈاکٹر آفتاب صدیقی نے شبلی اور اکبر الہ آبادی میں گہرے مراسم کا ذکر کیا ہے، اور مقتدی خاں شیروانی نے شبلی کی نازک مزاجی کا جائزہ لیا ہے۔ خان بہادر شیخ عبداللہ اور ڈپٹی حبیب اللہ نے علامہ شبلی کی یادوں کو اپنے مضامین میں سمیٹا ہے اسی قسم کا ایک مضمون ضیاء الدین برنی نے بھی لکھا ہے۔ اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے علامہ شبلی کے حالات اور کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ اور پروفیسر عبدالمغنی نے شبلی وحالی کی تحریکیت کی وضاحت کی ہے۔ اسی نمبر میں شبلی کے منفرد اسلوب نگارش سے متعلق مقالہ مولانا عبدالسلام ندوی نے لکھا ہے، اور دوسرا مقالہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے بھی اسی موضوع پر تحریر کیا ہے۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے شبلی کی شخصیت، عظمت اور ان کے کارناموں کو اجاگر کیا ہے۔ احرار نقوی نے ''شبلی: شخصیت اور خطوط'' کا تذکرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر عبد اللطیف اعظمی نے ''شبلی کے معتقد و منتقد'' کے عنوان سے مقالہ لکھا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ ''منتقدین میں ڈاکٹر وحید قریشی کی حیات معاشقہ، شیخ محمد اکرام کی ''موج کوثر'' اور ''شبلی نامہ''۔ اور محمد امین زبیری کی ''ذکر شبلی شامل ہیں۔ اور معتقدین میں مولانا سعید انصاری کی ''مولانا شبلی اردو کے بہترین انشا پرداز'' خود ان کی کتاب مولانا شبلی کا مرتبہ اردو ادب میں''۔ ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی کی کتاب شبلی ایک دبستان اور مولانا سید سلیمان ندوی کی حیات شبلی شامل ہیں''۔ ص ۱۲۸۔

ادیب کے معاون مدیر پروفیسر کبیر احمد جائسی نے ''شبلی ایک یادگار دارالمصنفین'' کے موضوع پر مقالہ تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے شبلی بحیثیت صحافی کے عنوان سے اپنے خیالات کو قلم بند کیا ہے۔ مصنف اس نمبر کے بارے میں لکھتے ہیں ''ادیب کا شبلی نمبر ڈاکٹر ابن فرید کا ایک بڑا ادبی کارنامہ ہے، جسے شبلی شناسی کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا''۔ ص ۱۳۱۔

اس ضخیم نمبر کے دس سال کے بعد ۱۹۷۱ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے رسالہ ''کریسنٹ'' کا شبلی نمبر خالد بزمی کی ادارت میں ۶۴۲ صفحات کے ساتھ شائع ہوا۔ مصنف کتاب ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی تفصیل کے مطابق ''فاضل مدیر نے اسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اعتراف عظمت
۲۔ فکر و نظر
۳۔ اظہار عقیدت
۴۔ کف گل فروش
۵۔ دامان باغباں

جس میں علامہ شبلی کی چھ تصویریں بھی شامل ہیں''۔ ص ۱۳۴۔

اس کے مقالہ نگاروں میں علامہ شبلی کے شاگرد مولانا ظفر علی خاں، (تعزیتی مضمون) مولانا عبدالماجد دریابادی، (شبلی انسان، مصنف، مصنف گر) ڈاکٹر سید عبداللہ، (شبلی کا اسلوب بیان) ڈاکٹر عبادت بریلوی، (شبلی کی تنقید نگاری) سید وقار عظیم، (شبلی کی سیاسی شاعری) ڈاکٹر وحید قریشی (شبلی کی سوانح نگاری۔ مصنف کے بقول ''یہ سن کر تعجب ہوگا کہ اس میں شبلی کے نظریہ سوانح نگاری یا شبلی کی سوانحی تصنیفات المامون سے سوانح مولانا روم تک کسی کتاب کا سرے سے ذکر نہیں'' ص ۱۴۲) پروفیسر آل احمد سرور (شبلی میری نظر میں) کلیم الدین

احمد (علامہ شبلی کی تنقید نگاری) پروفیسر سید احتشام حسین (موازنہ انیس و دبیر) پروفیسر خورشید الاسلام (شبلی) سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی (شبلی کی ذوق آفرینی) مولوی عبدالباری ابوعلی اثری (شبلی وابوالکلام) ڈاکٹر ناصر حسن زیدی (علامہ شبلی کی شیوہ بیانی) سید غلام شبیر بخاری (شبلی ایک ماہر تعلیم) ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (دارالمصنفین) پروفیسر محمد طفیل دار (علامہ شبلی کی اردو شاعری) حفیظ بینائی (شبلی اور علی گڑھ تحریک۔ لیکن اس مقالہ کے سلسلے میں مصنف رقم کرتے ہیں کہ "انہوں نے شبلی کو علی گڑھ تحریک کا مخالف قرار دیا ہے" جواب میں مصنف لکھتے ہیں "واقعہ یہ ہے کہ شبلی سرسید اور ان کی تحریک کے کبھی مخالف نہیں رہے "۔ص ۱۴۹۔ پھر واقعات کی روشنی میں اسے مدلل کیا ہے۔) عابد نظامی (شبلی اور حالی) ممتاز منگلوری (علامہ شبلی کی تصانیف) تاج الدین طیش (الفاروق) ش عباسی (شبلی کا ادبی مرتبہ) یہ سب مقالے فکر ونظر کے باب کے تحت ہیں۔

پھر سات منظوم خراج عقیدت ہے، جس میں احسن مارہروی بھی شامل ہیں۔

پھر دامان باغباں کے تحت اسلامیہ کالج لاہور کے اساتذہ کے لکھے ہوئے مقالہ شامل ہیں۔ مصنف نے انہیں "بڑے اہم اور وقیع " کہا ہے۔ ڈاکٹر اے ڈی ارشد کا مقالہ شبلی کا تحقیقی شعور ہے۔ نذیر احمد خواجہ کا مقالہ سیرۃ النبی پر ہے، معراج الدین احمد نے شبلی اور علم الکلام کے عنوان سے لکھا ہے۔ محمد شریف (شبلی کا جمالیاتی ادب) حمید کوثر شبلی کے مقاصد حیات۔ محمد بشیر چٹھہ۔ انشائے شبلی۔ کے عنوان سے مقالہ تحریر کیا ہے، اس شبلی نمبر میں کالج کے طلبہ کے مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں۔ مصنف نے لکھا ہے کہ "یہ نمبر انفرادیت کا حامل ہے"۔ص ۱۶۴۔

انجمن ترقی اردو ہند دہلی کا رسالہ "ہماری زبان" نے بھی شبلی نمبر ۱۹۹۵ء میں نکالا۔ جس کے مدیر ڈاکٹر خلیق انجم تھے۔ اس نمبر میں کل چار مضامین شامل ہیں، پہلا مقالہ سید حامد کے قلم سے ہے، انہوں نے شبلی کی درخشاں زندگی کے چند نمایاں پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ نظام الدین، ایس گوریکر نے علامہ شبلی نعمانی اور ان کی فکر پر مقالہ لکھا ہے۔ سید شہاب الدین دسنوی نے عطیہ، اقبال اور شبلی کے عنوان سے مضمون قلم بند کیا ہے، مصنف نے لکھا ہے کہ انہوں نے "ان تینوں کے روابط کا تجزیہ اور اس سلسلے میں بابائے اردو مولوی عبد الحق وغیرہ کے خیالات کی تردید کی ہے"۔ص ۱۶۷۔ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی نے "ایک شبلی شناس" کے عنوان سے لکھا ہے۔

اس نمبر کے ایک سال کے بعد اسی انجمن کے سہ ماہی رسالہ "اردو ادب، دہلی" نے شبلی نمبر ۱۹۹۶ء میں نکالا۔ انجمن ترقی اردو نے ۱۴۔۱۶ اپریل ۱۹۹۵ء کو علامہ شبلی کے فکر وفن پر دہلی میں جو سے روزہ سیمینار منعقد کیا تھا، اردو ادب کا یہ شبلی نمبر سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات پر مشتمل ہے۔ جس میں ۲۵ مقالات شامل ہیں۔ جس کا تجزیہ مصنف نے چوبیس صفحات میں کیا ہے۔ اور آخر میں لکھا ہے کہ "اردو ادب کا یہ شبلی نمبر کئی لحاظ سے بہت اہم ہے، شبلی کی شخصیت کے بنیادی خدوخال اس سے نمایاں ہوجاتے ہیں، لیکن ایک کمی محسوس ہوتی ہے کہ علامہ شبلی کے (نے) علم وادب پر جو اثرات مرتب کیے، یا اردو شعر وادب جس حد تک ان کا رہین منت ہے، اس پر کسی مقالہ نگار نے روشنی نہیں ڈالی ہے، اس کے باوجود اردو ادب کا یہ نمبر گذشتہ خصوصی شماروں سے کسی طرح کم اہمیت نہیں رکھتا"۔ص ۱۹۰۔

اس نمبر میں ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، پروفیسر صغرا مہدی، ڈاکٹر خلیق انجم، کاظم علی خاں، پروفیسر آفاق احمد، ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری، جناب شاہد ماہلی، ڈاکٹر ابوالفیض سحر، شریف الحسن نقوی، مولانا ضیاء الدین اصلاحی، ڈاکٹر محمد عارف عمری، ظفر الدین، کشمیری لال ذاکر، احمد سعید، ڈاکٹر شمس بدایونی، پروفیسر عبدالمغنی، ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ ڈاکٹر رحمت یوسف زئی، پروفیسر ظہور الدین، ڈاکٹر بیگ احساس، پروفیسر عبدالحق، قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی، اور ایم حبیب خاں کے مقالات شامل ہیں۔

سہ ماہی فکر ونظر، علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی، علی گڑھ نے ۱۹۹۶ء میں ایک شبلی نمبر شہریار کی ادارت میں شائع کیا، مصنف کتاب تحریر کرتے ہیں "یہ نمبر پانچ ذیلی عناوین میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ شعر نقد شعر
۲۔ مشرق اور علوم مشرق
۳۔ سیرۃ النبی اور علم الکلام
۴۔ علمی وادبی روابط
۵۔ جہان شبلی

اس نمبر میں تقریباً پندرہ مقالات جمع کیے گئے ہیں۔ اس شبلی نمبر پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے "فکر ونظر کا یہ شبلی نمبر شبلی شناسی کے میدان میں ایک نمایاں پیش رفت ہے علامہ شبلی پر

کام کرنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ ضروری قرار دیا جاسکتا ہے ''۔ص ۲۰۲۔اس نمبر میں گذشتہ اوراق میں ذکر کیے گئے کچھ قلمکاروں کے علاوہ ڈاکٹر نیر مسعود، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر مرزا خلیل، ڈاکٹر اخلاق احمد، پروفیسر شعیب اعظمی، ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی، پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی، پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی، ڈاکٹر آصف نعیم، ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب شامل ہیں۔

پھر مصنف نے شبلی کالج میگزین کے شبلی نمبر کا ذکر کیا ہے۔ یہ نمبر ۲۰۰۷۔۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔اس کے مدیر ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی ہیں،اس میں کل سترہ مقالات شامل ہیں مصنف لکھتے ہیں ''اس کا آغاز حبیب شبلی مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے مقالہ ''مرحومی علامہ شبلی نعمانی'' سے ہوا ہے،اس کے بعد مولانا ضیاء الدین کا مقالہ ''علامہ شبلی اور اعظم گڑھ'' شامل ہے''۔ص ۲۰۶۔دیگر اہل قلم میں ڈاکٹر شباب الدین، مولانا کلیم صفات اصلاحی، ڈاکٹر محی الدین آزاد، ڈاکٹر شمیم احمد، مولانا عمیر الصدیق ندوی دریابادی ڈاکٹر احمد علی، پروفیسر طلعت عزیز، مصنف کتاب کے دو مقالے بھی اس میں شامل ہیں۔اس نمبر کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں ''مجموعی طور سے شبلی کالج میگزین کا یہ ''شبلی نمبر'' شبلی شناسی میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے''۔ص ۲۱۳۔

متعدد رسالوں کے خصوصی شبلی نمبر کے جائزے کے آخر میں مصنف کتاب ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے سہ ماہی رسالہ ''اسلام اور عصر جدید'' کا ذکر کیا ہے،جس کے مدیر پروفیسر اختر الواسع نے جولائی ۲۰۰۸ء میں اس کا خصوصی شمارہ ''نذر شبلی'' شائع کیا۔اس نمبر میں چند نئے قلم کاروں میں مولانا غطریف شہباز ندوی، ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، محمد ارشد، مصری اسکالر جناب جلال سعید حفناوی، ڈاکٹر عمیر منظر، وغیرہ ہیں،اس رسالہ کے نمبر کے بارے میں مصنف تحریر کرتے ہیں ''اس شبلی نمبر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں علامہ شبلی کے سات مقالات شامل کیے گئے ہیں،اس سے قبل شائع ہونے والے کسی شبلی نمبر میں اس کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے''۔ص ۲۲۱۔

اس کتاب کے ضمیمہ کے طور مصنف نے مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار ''لسان الصدق'' کا تذکرہ کیا ہے جس میں علامہ شبلی کا ذکر کسی نہ کسی طور پر موجود ہے۔اور اسی پر انہوں نے اس کتاب کو ختم بھی کیا ہے، یہ تذکرہ بھی تقریباً ۳۴ر صفحات پر مشتمل ہے،اس کی بابت مصنف رقم طراز ہیں ''ماہنامہ لسان الصدق کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ شبلی و آزاد کے تعلقات لسان الصدق کی اشاعت کے زمانے میں بڑے گہرے ہوگئے تھے۔اس کے صفحات میں مولانا ابوالکلام آزاد نے علامہ شبلی کا جس والہانہ انداز میں ذکر کیا ہے،وہ علامہ شبلی سے ان کی گہری عقیدت اور دلی شیفتگی کا پتہ دیتا ہے۔علامہ شبلی نے بھی ماہنامہ لسان الصدق سے پوری دلچسپی لی،اس کی سرپرستی قبول کی،انجمن ترقی اردو کی رپورٹیں، مراسلے اور اطلاعات اشاعت کے لیے بھیجیں، یہاں تک کہ بقول مولانا آزاد: انجمن ترقی اردو نے اس کی دلچسپی دیکھ کر اسے اپنا آرگن قرار دیدیا تھا''۔ص ۲۲۷۔مصنف کتاب نے اس کے ان تمام شماروں کا جائزہ لیا ہے جس میں مولانا شبلی کا تذکرہ ہے۔یہ رسالہ نومبر ۱۹۰۳ میں کلکتہ سے جاری ہوا اور آخری شمارہ مئی ۱۹۰۵ء کا ہے مولانا آزاد نے اسے صرف پندرہ سولہ سال کی عمر میں جاری کیا۔

مصنف کتاب ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ''لسان الصدق، مئی ۱۹۰۵ء کی بابت لکھتے ہیں ''اس سے پہلے اپریل ۱۹۰۴ء کے شمارہ میں علامہ شبلی کی کتاب ''الکلام'' کا ایک سطری ذکر تھا،اس شمارہ میں مولانا آزاد نے اس کا مختصر تعارف لکھا ہے:

''شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی جدید تصنیف الکلام ؛جس کا پبلک نہایت بے چینی سے انتظار کر رہی تھی، نامی پریس کانپور سے اس خوبی اور خوش نمائی کے ساتھ چھپ کر نکلی جس کی نظیر اردو کی کوئی کتاب پیش نہیں کرسکتی، کہا جاسکتا ہے کہ بلحاظ اہمیت مضمون کتاب کی معنوی حالت جس قدر باعظمت ہے اسی قدر کتاب کی ظاہری صورت بھی دل فریبی اور دلآویزی میں بے مثل اور بے نظیر ہے''۔لسان الصدق، اپریل مئی ۱۹۰۵ء ص ۲۹۔ دسنوی ۲۵۱۔ بحوالہ ''شبلی شناسی کے سو سال'' ص ۲۵۳۔

مصنف نے اس کتاب کو باوقعت اور مستند بنانے کے لیے تقریباً ۶۱ر کتب و رسائل سے استفادہ کیا ہے اور ان کے حوالوں سے اسے مزین کیا ہے۔اس ایک کتاب کے مطالعے سے شبلی شناسی کے بہت سے دروازے کھلتے ہیں اور علامہ شبلی کے کاموں کی وقعت میں اضافہ کے ساتھ ان سے قربت اور تعلق میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس کے باعث مصنف اہل علم کی طرف سے مبارک باد کے یقیناً مستحق ہیں۔

(آخری قسط:) **ڈاکٹر محمد انور الدین**۔اسسٹنٹ پروفیسر وصدر شعبۂ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج،،حیدرآباد

شگوفہ کا باون سالہ سفر: بہ یک نظر

۱۹۸۸ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری تا مئی ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ جون میں گوشۂ پاکستان
❖ جولائی کے شمارے میں خصوصی گوشۂ پاک ہند طنز ومزاح کانفرنس کراچی
❖ اگست تا نومبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ دسمبر میں سوونیر کی اجرائی

۱۹۸۹ء:

❖ جنوری میں سال نامہ جس میں سال نو پر نظمیں و زندہ دلان
حیدرآباد کی سالانہ تقاریب کی مکمل رپورٹ
❖ فروری میں ہندو پاک طنز ومزاح کانفرنس دہلی سے خطبہ صدارت شامل
❖ مارچ تا اکتوبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ نومبر میں سوونیر کی اجرائی
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۱۹۹۰ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری تا مئی ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ جون میں کپورستان (بہ یاد کنہیالال کپور)
❖ جولائی تا دسمبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔

۱۹۹۱ء:

❖ جنوری رفروری میں سال نامہ
❖ مارچ تا جون ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ جولائی میں بہ یاد بوگس حیدرآباد
❖ اگست میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ ستمبر میں گوشۂ فیاض احمد فیضی
❖ اکتوبر تا دسمبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔

۱۹۹۲ء:

❖ جنوری رفروری میں سال نامہ
❖ مارچ تا ستمبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ اکتوبر میں سعودی عرب نمبر
❖ نومبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ دسمبر میں رشید قریشی کے نام

۱۹۹۳ء:

❖ جنوری رفروری میں سال نامہ
❖ مارچ تا اکتوبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ نومبر میں سوونیر کی اجرائی
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۱۹۹۴ء:

❖ جنوری۔فروری میں سلور جوبلی نمبر
❖ مارچ میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ اپریل میں ۲۵ سالہ شعری انتخاب
❖ مئی میں گوشہ بہ یاد بھارت چندکھنہ
❖ جون میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ جولائی میں ودربھ میں طنز ومزاح
❖ اگست اور ستمبر میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ اکتوبر میں ایک شمارہ طالب خوندمیری کے نام
❖ نومبر میں جشن حیدرآباد کے موقعے پر
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۱۹۹۵ء:

❖ جنوری رفروری میں سال نامہ
❖ مارچ تا مئی ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔

❖ جون کے شمارے میں نذر طالب خوندمیری
❖ جولائی میں بہ یاد شوکت تھانوی
❖ اگست تا نومبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ دسمبر میں رشید احمد صدیقی نمبر

۱۹۹۶ء:

❖ جنوری رفروری میں سال نامہ
❖ مارچ میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ اپریل میں سوونیر کی اجرائی
❖ مئی اور جون میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ جولائی میں گوشۂ سلیمان خطیب
❖ اگست میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ ستمبر میں بہ یاد دلیپ سنگھ
❖ اکتوبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ نومبر میں گوشۂ مضطر مجاز
❖ دسمبر میں گوشۂ اسمٰعیل ظریف

۱۹۹۷ء:

❖ جنوری رفروری میں سال نامہ
❖ مارچ اور اپریل میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ مئی میں گوشۂ شام شگوفہ ریاض
❖ جون میں گوشۂ انور مسعود
❖ جولائی میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ اگست میں گوشۂ اشرف خوندمیری
❖ ستمبر میں ۲۵ سالہ نثری انتخاب (حصہ اول)
❖ اکتوبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ نومبر میں سوونیر کی اجرائی
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۱۹۹۸ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں دلاور فگار۔ خراج عقیدت
❖ مارچ تا جون ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ جولائی میں ۲۵ سالہ نثری انتخاب (حصہ دوم)
❖ اگست میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ ستمبر میں بہ یاد مسیح انجم
❖ اکتوبر تا دسمبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔

۱۹۹۹ء:

❖ جنوری رفروری میں سال نامہ
❖ مارچ اور اپریل میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ مئی میں گوشۂ مسیح انجم (پہلی برسی کے موقعے پر)
❖ جون میں گوشۂ ضمیر جعفری
❖ جولائی میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ اگست میں گوشۂ عاتق شاہ
❖ ستمبر اور اکتوبر میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ نومبر میں سوونیر کی اجرائی
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۲۰۰۰ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری اور مارچ میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ اپریل میں گوشۂ حبیب ضیا
❖ مئی میں ایک شمارہ کرنل محمد خان کے نام
❖ جون اور جولائی میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ اگست میں مجتبیٰ حسین شکاگو میں' ایک شمارہ
❖ ستمبر میں گوشۂ مرزا شکور بیگ
❖ اکتوبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ نومبر میں گوشۂ محمد یونس بٹ
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۲۰۰۱ء:

❖ جنوری رفروری میں سال نامہ
❖ مارچ میں گوشۂ یوسف امتیاز
❖ اپریل میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ مئی میں گوشۂ ڈاکٹر سید حامد حسین
❖ جون میں خصوصی شمارہ مشتاق احمد یوسفی کے نام
❖ جولائی میں گوشۂ پاکستان
❖ اگست میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ ستمبر میں گوشۂ رحیم الدین توفیق

❖ اکتوبر میں خصوصی شمارہ شفیق الرحمٰن کی یاد میں
❖ نومبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ دسمبر میں گوشۂ شفیع شیخ

۲۰۰۲ء:

❖ جنوری رفروری میں سال نامہ
❖ مارچ میں گوشۂ خالد اختر
❖ اپریل میں گوشۂ رضا نقوی واہی
❖ مئی تا جولائی ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ اگست میں گوشۂ عصمت اللہ بیگ
❖ ستمبر اور اکتوبر میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ نومبر میں گوشۂ کرنل محمد خاں
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۲۰۰۳ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری تا اپریل ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ مئی کے شمارے میں سعدی دکن المعروف بہ سید مصلح الدین
سعدی کے سانحہ ارتحال پر جلسہ تعزیت
❖ جون میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ جولائی میں بنام منیار رحمت اللہ
❖ اگست میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ ستمبر میں گوشۂ پروفیسر محمد علی خسرو
❖ اکتوبر اور نومبر میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ دسمبر میں سوونیر کی اجرائی

۲۰۰۴ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ مارچ میں گوشۂ شوکت جمال
❖ اپریل کے شمارے میں اردو اکادمی دلی کا اردو طنز و مزاح پر کل ہند سمینار، رپورتاژ وغیرہ شامل
❖ مئی میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ جون میں خصوصی شمارہ یوسف ناظم نمبر
❖ جون میں خلیج نمبر پہلا حصہ شامل ہے
❖ جون میں خلیج نمبر دوسوونیر جشن شگفتہ دکن
❖ جولائی میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ اگست میں جشن شگفتہ دکن
❖ ستمبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ اکتوبر میں گوشۂ دلاور فگار
❖ نومبر میں گوشۂ پاپولر میرٹھی
❖ دسمبر میں گوشۂ پاکستان

۲۰۰۵ء:

❖ جنوری میں سال نامہ و گوشۂ خامہ بگوش
❖ فروری میں گوشۂ منور رانا
❖ مارچ میں گوشہ بہ یاد خامہ بگوش (مشفق خواجہ) اور گوشۂ واجد ندیم
❖ اپریل میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ مئی میں گوشۂ ڈاکٹر اعجاز علی ارشد
❖ جون میں بہ یاد مشفق خواجہ اور فرحت کمال کی یاد میں
❖ جولائی میں ۳۷ویں سالگرہ نمبر
❖ اگست میں گوشہ پاکستان
❖ ستمبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ اکتوبر میں بہ اعزاز مجتبیٰ حسین
❖ نومبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ دسمبر میں گوشۂ پاکستان

۲۰۰۶ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ مارچ میں گوشۂ عطاالحق قاسمی
❖ اپریل میں گوشہ محبوب راہی
❖ مئی میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ جون میں ڈاکٹر ماجد قاضی کارنر
❖ جولائی میں گوشۂ حمید عادل
❖ اگست میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ ستمبر میں فرید انجم کی یاد میں

❖ اکتوبر تا دسمبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔

۲۰۰۷ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ مارچ میں گوشۂ پروفیسر شمیم علیم
❖ اپریل تا جون ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ جولائی میں خصوصی شمارہ بہ یاد راجہ مہدی علی خاں
❖ اگست میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ ستمبر میں گوشہ بہ یاد پاگل عادل آبادی
❖ اکتوبر میں راجہ مہدی علی خان، مزید یادیں
❖ نومبر میں اقبال نمبر
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۲۰۰۸ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری اور مارچ میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ اپریل میں سوونیر کی اجرائی
❖ مئی میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ جون میں بہ یاد برہان حسین
❖ جولائی میں گوشۂ علیم خاں فلکی
❖ اگست میں بہ یاد ساغر خیامی
❖ ستمبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ اکتوبر میں بہ یاد شفیقہ فرحت
❖ نومبر میں عابد معز نمبر
❖ دسمبر میں ''قند مکرر'' کی اشاعت پر فیاض احمد فیضی کے لیے ایک اور گوشہ

۲۰۰۹ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ مارچ میں پرویز یداللہ مہدی نمبر
❖ اپریل اور مئی میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ جون میں گوشۂ اسد رضا
❖ جولائی میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ اگست میں بہ یاد یوسف ناظم
❖ ستمبر تا نومبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ دسمبر میں خصوصی شمارہ بہ یاد وجاہت علی سندیلوی

۲۰۱۰ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں گوشۂ رؤف رحیم
❖ مارچ میں گوشۂ وہاب عندلیب
❖ اپریل اور مئی میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ جون میں گوشۂ فضل جاوید
❖ جولائی میں گوشۂ ڈاکٹر راہی قریشی
❖ اگست اور ستمبر میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ اکتوبر میں گوشہ سگار لکھنوی
❖ نومبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ دسمبر میں سوونیر کی اجرائی

۲۰۱۱ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں بہ یاد طالب خوندمیری
❖ مارچ میں گوشۂ ڈاکٹر شیخ رحمٰن اکولوی
❖ اپریل میں فرحت اللہ بیگ نمبر
❖ مئی میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ جون میں گوشہ بہ یاد رشید عبدالسمیع جلیل
❖ جولائی اور اگست میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ ستمبر میں بہ یاد گلی نلگنڈوی
❖ اکتوبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ نومبر میں گوشۂ محمد عمران اعظمی
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۲۰۱۲ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ مارچ میں گوشہ رؤف خوشتر
❖ اپریل میں جدہ میں مدیر شگوفہ کے اعزاز میں محفل
❖ مئی میں گوشۂ نادر خان سرگروہ

❖ جون اور جولائی میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ اگست میں تخلیقی سفر کے پچاس سال کی تکمیل پر ایک شمارہ مجتبیٰ
حسین کے نام
❖ ستمبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ اکتوبر میں گوشہ بہ یاد طالب حسین زیدی
❖ نومبر میں گوشۂ ڈاکٹر عباس متقی
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۲۰۱۳ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری اور مارچ میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ اپریل میں نصرت ظہیر نمبر
❖ مئی تا اکتوبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ نومبر میں سوونیر کی اجرائی
❖ دسمبر میں ڈاکٹر محمد علی رفعت (آئی اے ایس) نامزد رکن پبلک سروس کمیشن کے موقع پر تہنیت

۲۰۱۴ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں گوشۂ شاد عارفی
❖ مارچ تا مئی ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ جون میں گوشہ بہ یاد سید ضمیر حسن دہلوی
❖ جولائی میں گوشۂ مختار ٹونکی
❖ اگست کے شمارے میں گوشۂ ڈاکٹر اشفاق احمد ورک۔ایک ٹریلر
❖ ستمبر کے شمارے میں گوشۂ منظور عثمانی
❖ اکتوبر کے شمارے میں بہ یاد ڈاکٹر شباب للت
❖ نومبر میں سوونیر کی اجرائی
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۲۰۱۵ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ مارچ کے شمارے میں گوشۂ اسرار جامعی
❖ اپریل کے شمارے میں گوشۂ حلیمہ فردوس
❖ مئی تا اگست ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ ستمبر کے شمارے میں گوشۂ غوث خواہ مخواہ
❖ اکتوبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ نومبر کے شمارے میں گوشۂ مختار یوسفی
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۲۰۱۶ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری تا جولائی ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ اگست کے شمارے میں گوشۂ اقبال شیدائی
❖ ستمبر تا نومبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ دسمبر میں سوونیر کی اجرائی

۲۰۱۷ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری کے شمارے میں گوشہ بہ یاد یوسف امتیاز
❖ مارچ کے شمارے میں گوشہ بہ یاد سلمیٰ صدیقی
❖ اپریل اور مئی میں ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ جون کے شمارے میں گوشہ بہ یاد حمایت اللہ
❖ جولائی کے شمارے میں گوشہ بہ یاد محمد عمران اعظمی
❖ اگست تا اکتوبر ماہ ناموں کی اشاعت عمل میں آئی۔
❖ نومبر میں ڈاکٹر سید عباس متقی نمبر
❖ دسمبر میں سوونیر کی اجرائی

۲۰۱۸ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری کے شمارے میں گوشہ بہ یاد غوث خواہ مخواہ
❖ مارچ کے شمارے میں گوشۂ آرکیٹکٹ عبدالرحمٰن سلیم
❖ اپریل کے شمارے میں فکاہیہ نقاد یوسف ناظم کے نام ایک گوشہ
❖ مئی کا شمارہ نریندر لوتھر نمبر ہے، جو گولڈن جوبلی سال ہے
❖ جون کا شمارہ چھڑ گئی پھر سے بات فیضی کی
❖ جولائی کا شمارہ بہ یاد مشتاق احمد یوسفی
❖ اگست کا شمارہ بہ یاد مشتاق احمد یوسفی دوسری قسط

❖ ستمبر کا شمارہ بہ یاد پرویز یداللہ مہدی
❖ اکتوبر میں گوشۂ شکیل اعجاز
❖ نومبر میں گوشۂ مضطر مجاز کہ 'تھا' ظریف و خوش اندیشہ و شگفتہ دماغ
❖ دسمبر میں ماہ نامے کی اشاعت

۲۰۱۹ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ مارچ میں گوشۂ بانو سرتاج
❖ اپریل میں گوشۂ فضل جاوید
❖ مئی میں گوشۂ کے این واصف
❖ جون میں گوشۂ منظور وقار
❖ جولائی میں گوشۂ مسرور شاہ جہاں پوری
❖ اگست اور ستمبر میں ماہ نامے کی اشاعت
❖ اکتوبر میں گوشہ بہ یاد فکر تونسوی
❖ نومبر میں گوشہ بہ یاد رضا نقوی واہی
❖ دسمبر میں سوو نیر زندہ دلانِ حیدر آباد

۲۰۲۰ء:

❖ جنوری میں سال نامہ
❖ فروری میں گوشۂ فاطمہ تاج

مصادر و مراجع:

۱) ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال: علمی و ادبی خدمات از محمد انور الدین (راقم الحروف) سنہ اشاعت ۲۰۱۴ء
۲) ماہ نامہ شگوفہ حیدر آباد کا ڈیڑھ ماہی شمارہ، دسمبر ۱۹۶۸ء / جنوری ۱۹۶۹ء جلد (۱) شمارہ (۲)
۳) سوو نیر دوسرا کل ہند مزاحیہ مشاعرہ مدیر ناصر کرنولی / مصطفیٰ کمال / حیدر صدیقی مئی ۱۹۶۷ء
۴) سوو نیر کل ہند مزاحیہ مشاعرہ منعقدہ فروری ۱۹۶۸ء
۵) ماہ نامہ شگوفہ کا اشاریہ نومبر ۱۹۶۸ء تا ۲۰۰۹ء (نثر) غیر مطبوعہ
۶) ماہ نامہ شگوفہ کا اشاریہ نومبر ۱۹۶۸ء تا ۲۰۰۹ء (نظم) غیر مطبوعہ
۷) ماہ نامہ شگوفہ کے شمارے فروری ۲۰۲۰ء تک

ڈاکٹر خواجہ فریدالدین صادق۔ حیدر آباد

غزل

نظر مجھ کو اب وہ بھی آنے لگے ہیں
جنہیں ڈھونڈنے میں زمانے لگے ہیں

کئی تیر ہم نے محبت کے چھوڑے
بڑی مدتوں میں نشانے لگے ہیں

نظر ان سے میں نے ہٹائی ذرا جو
مری جان مجھ کو رجھانے لگے ہیں

جسے ہم نے پڑھنا سکھایا تھا یارو
سبق ہم کو وہ بھی پڑھانے لگے ہیں

بھلا کر وہ احساں مرا ان پہ اب تو
مجھے رنگ اپنا دکھانے لگے ہیں

سمجھ کر وہ ناداں مجھے ان کے جیسا
نیا جال لاکر پھنسانے لگے ہیں

جسے طفل مکتب سمجھتے تھے صادقؔ
وہی رنگ اپنا جمانے لگے ہیں

ڈاکٹر صالحہ صدیقی (الٰہ آباد، یو۔پی۔انڈیا)

مولانا جامیؔ کے کائنات نعت گوئی اور عشق رسولؐ کا مطالعہ

مولانا عبدالرحمٰن جامیؔ ہمارے بزرگ شعرا میں سر فہرست ہیں۔ان کی شخصیت کسی تعارف کا محتاج نہیں۔آپ پندرہویں صدی عیسویں کے عظیم ترین نقشبندی صوفی اور بزرگ تھے۔یہ کئی ناموں سے مثلاً مولانا عمادالدین ،نور الدین،عبدالرحمٰن جامی وغیرہ کے ناموں سے مشہور ومعروف ہوئے۔لیکن عموماً مولانا عبدالرحمٰن جامی اور عبدالرحمٰن نور الدین محمد دشتی کے نام سے زیادہ مقبول عام ہوئے۔ان کا عرصۂ حیات 1414ء سے 1492ء تک محیط ہے۔یہ وہ زمانہ بھی ہے جب علمائے اسلام اور صوفیائے اسلام کا بول بالا تھا ان میں ایک نمایاں نام آپ کا بھی شامل تھا۔آپ صوبہ خراسان کے ایک قصبہ خرجرد میں پیدا ہوئے۔اوائل عمری میں ہی آپ نے اپنے والد کے ساتھ برات اور پھر سمرقند کا سفر کرلیا تھا۔جہاں علم وادب کی تحصیل کی اور دینی علوم،ادب اور تاریخ میں کمال فن پایا۔آپ نے تصوف کا درس سعد الدین محمد کاشغری سے لیا اور مسند ارشاد تک رسائی ملی۔آپ حج بیت اللہ کے لیے بھی گئے اور دمشق سے ہوتے ہوئے تبریز گئے اور پھر برات پہنچے۔آپ کو بیک وقت عالمیت ،تصوف اور فن شاعری میں ملکہ حاصل تھا۔آپ نے صنف شاعری ونثر میں کئی اہم کتب یادگار چھوڑیں۔آپ نے نعت کے علاوہ سات مثنویاں بھی لکھیں جو ہفت اورنگ'' کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔پہلی مثنوی سلسلۃ الذہب ہے ،دوسری مثنوی ''سلامان وابسال'' ہے تیسری ''تحفۃ الاحرار'' جو کہ نظامی کی ''مخزن الاسرار'' کے جواب میں لکھی گئی تھی۔چوتھی ''سبحۃ الابرار'' پانچویں ''یوسف زلیخا'' چھٹی ''لیلیٰ مجنوں'' اور آخری مثنوی ''خردنامہ اسکندری'' یہ بھی نظامی کے ''سکندر نامہ'' کے جواب میں لکھی گئی ہے۔اسی طرح ان کی نثری تصانیف بھی انتہائی اہم ہیں۔جو کہ تصوف کے موضوع پر رقم کی گئی ہے۔ان میں شامل ہیں (1) نقد الفصوص و فی شرح نقش الفصوص (2) شرح فصوص الحکم (3) نفحات الانس (4) لوائح (5) بہارستان۔جامیؔ کی مذہبی ،ادبی وعلمی مسائل پر رسائل بھی ملتے ہیں۔جن میں شامل ہیں (1) چہل حدیث (2) مناسک حج (3) رسالہ تہلیلہ (4) رسالہ در علم قوافی (5) رسالہ موسیقی (6) تجنیس الحظ (7) منشات (8) فوائد الضیاء فی الکافیہ شرح (شرح ملا جامی) وغیرہ۔بعض تذکرہ نگاروں کے نزدیک ان کی تصانیف کی تعداد ننانوے ہیں اور بعض جامی کے اعداد کے لحاظ سے چون بتاتے ہیں۔

انھوں نے تاعمر صوفیاء اکرام کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے بزرگان دین سے روحانی استفادہ کے لیے سفر وسیاحت کا سلسلہ تاعمر جاری وساری رکھا۔ان کی تخلیق میں اس کا اثر صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔آپ کو آنحضرتؐ کی ذات مبارک سے ایسی والہانہ محبت وعقیدت تھی کہ وہ زندگی سے متعلق ہر چھوٹے بڑے مسائل پر غور وفکر کرتے وقت کسی ایسی

بات کی تائید نہ کرتے تھے جس سے توحید ورسالت کے عقیدے سے انحراف کی صورت پیدا ہوتی ہو۔آپؒ کی محبت جامیؒ کی تحریروں، پیغام و فلسفہ اشعار ہر جگہ دیکھا جا سکتا ہیں۔یہی پہلو آپ کو منفرد و ممتاز بھی کرتا ہے۔اسی عشق کی برکت سے شرق و غرب میں آپ کو لافانی شہرہ ہے۔مولانا جامی نے جس انداز محبت میں والہانہ انداز میں بارگاہ رسالتؐ کی شان میں ہدیہ نعت پیش کیا اس کی مثال تمام فارسی و اردو دب میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔وہ وادیٔ بطحا میں پہنچ کر مدینہ، خاک مدینہ، خار مدینہ حتیٰ کہ سگ مدینہ کو بھی اپنے دل کے قریب پاتے ہیں۔وہ ہر اس انسان کو سلام پیش کرتے ہیں جو سرزمین نبیؐ کی طرف جاتے ہیں۔عشق رسولؐ کا یہ عالم ہے کہ قافلۂ حجاز کے اونٹوں کے ساربان ان کے پیغام رساں ہیں۔نو نسیم بہاری کو فریاد پہنچانے کا ذریعہ بناتے ہیں (1) ن سیما جانب بطحا گزر کن زا حوالم محمد را خبر کن۔اسی طرح کہتے ہیں (2) بانگ وصل از قافلہ بر خاست خیزاے ساربان! زخم بنہ بر راحلہ آہنگ رحلت کن روا (3) یا رب مدینہ است ایں حرم کز خاکش آید بوئے جایا ساحت باغ ارم یا عرصۂ روض الجنان وہ عشق رسولﷺ۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر عشق رسولؐ میں ڈوب کر نعت رقم کرتے تھے۔بلاشبہ وہ اس فن کے امام تھے۔دیدار روضہ اطہر کے لیے جس جذب وجنون کا حصہ انہیں نصیب ہوا وہ دوسرے شعراؑ کو نصیب نہ ہو سکا۔وہ عاشق رسولؐ ہیں جن کو بارگاہ رسالت میں شرف قبولیت حاصل ہیں دیوبند مکتب فکر کے مولانا ذکریا لکھتے ہیں:

''مولانا جامی نوراللہ مرقدہ' یہ نعت لکھنے کے بعد جب ایک مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو ان کا ارداہ یہ تھا کہ روضہ اقدس کے پاس کھڑے ہوکر اس نظم کو پڑھیں گے۔جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاخری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خوب میں حضورﷺ کی زیارت کی ،حضور اقدسﷺ نے خواب میں ان کو ارشاد فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں،امیر مکہ نے ممانعت کردی مگر ان پر جذب وشوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے۔امیر مکہ نے دوبارہ خواب میں دیکھا حضورﷺ نے فرمایا: وہ آرہا ہے،اس کو یہاں نہ آنے دو،امیر مکہ نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستہ سے پکڑوا کر بلایا۔ان پر سختی کی اور جیل خانہ میں دال دیا۔اس پر امیر مکہ کو تیسری مرتبہ حضور اقدسﷺ کی زیارت ہوئی حضورﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کوئی مجرم نہیں ہے ،اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا،اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز واکرام کیا گیا۔'' (بحوالہ: تبلیغی نصاب فضائل درود شریف ص،۱۳۱)

مولانا جامیؒ کی شاعری میں رسول عشقؐ ایک ایسے استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جو حق و باطل کا میزان قرار دینے کے ساتھ ظلم وستم کے خلاف استقامت اور اسلام کے حقیقی رہبر کی نشاندہی کرتا ہے۔ان کی شاعری میں عشق مصطفیﷺ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔انسانیت کی معراج یہی ہے کہ رسولؐ پاک کی اسوہ حسنہ کو اپنا لیا جائے۔

ختم المرسلین ﷺ کے نام پر مولانا جامؔی کا سر عقیدت سے خم ہوجاتا ہے عشق رسول ﷺ اور جدائی کے غم میں کہی گئی نعت کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

تنم فرسودہ جاں پارہ
زھجراں یا رسولاللہ

☆☆

دلم پژمردہ آوارہ
زعصیان یا رسوالله

☆☆

چوں سوئے من گزر آری
من مسکیں ز ناداری

☆☆

فدائے نقش نعلینت
کنم جاں یا رسولاللہ

☆☆

ز کردہ خویش حیرانم
سیاہ شد روز عصیانم

ترجمہ: شعر ا۔ آپ کی جدائی میں میرا جسم ناکارہ اور ٹکڑے ہو گیا ہے ۔اے اللہ کے پیارے نبی ۔شعر دوم: میرا دل بھٹک رہا ہے اور دل کا پھول مرجھا چکا ہے گناہوں کے بوجھ سے اے اللہ کے پیارے نبیؐ۔شعر سوم: کبھی خواب میں اپنا جلوہ دکھا دیں اس عاجز مسکین اور غریب نادار سائل کو۔شعر چہارم: تو میں پھر آپ کے نقش پا پر فدا ہو جاؤں گا اے اللہ کے پیارے نبیؐ۔شعر پنجم: میں نے جو کچھ کیا ہے بہت حیران ہوں۔روز حساب میرا اعمال نامہ گناہوں کی بہتات سے سیاہ ہوگا۔

مولانا جامؔی اپنے کلام میں الفاظ کی جادوگری دکھاتے ہوئے ایسی منظر کشی کی ہے کہ انھوں نے ہماری آنکھوں کے سامنے تمام مناظر جیتے جاگتے پیش کر دیے۔ان کے اشعار میں صداقت کا جذ بخوبی دیکھا جاسکتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سچے دل سے جذبوں کی قدر کرتے ہیں۔ان کے اشعار انسانی جذبات کی ترجمان ہے جسے مولانا جامؔی نے بڑی چابک دستی سے پیش کیا۔ان کے کلام کا فنکارانہ کمال بھی یہ ہے کہ وہ ردائف کو بغاوت کو موقع نہ دے کر ان سے خاطر خواہ کام لے کر اپنے اشعار میں معنی کا ترفع وتنوع اور ان میں گہرائی و گیرائی نیز تہہ داری بیدار کر کے اپنے فن کے معیار کو بلندیوں پر پہنچا دیتے ہیں۔وہ کم لفظوں میں بھی بڑی سے بڑی بات کہہ دینے کا ہنر بھی بخوبی جانتے تھے۔اس کے علاوہ ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ بھی بات عیاں ہوتی ہے کہ جامؔی کے اشعار میں ایک نغمگی اور جھنکار ہے جس میں بلا کا تسلسل ہے۔ان کا کلام خوبصورت مرقع اور عمدہ تشبیہات و استعارات سے عبارت ہیں۔وہ چھوٹی چھوٹی بحروں میں بڑی بڑی باتیں کہہ دینے کا ہنر بخوبی جانتے تھے۔ان کے کلام میں ہجر وفراق اور جدائی کا درد جا بجا بکھرا نظر آتا ہے،ان کے اشعار میں روایت کی پاسداری ملتی ہے۔فنی تنوع کے ساتھ ساتھ مضامین اور موضوعات کی رنگارنگی بھی قاری کو متوجہ کرتی ہے۔ان کے اشعار کے مطالعہ سے ایک تازگی کا احساس ہوتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ آج ہی لکھے گئے ہو۔ان کے نعت میں بھی یہی کمال نظر آتا ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پشیمانم پشیمانم
پشیماں یا رسوالله

☆☆

زجام حب تو مستم
به زنجیر تو دل بستم

☆☆

نمی گویم که من هستم
سخن داں یا رسول الله

☆☆

چوں بازوئے شفاعت را
کشائی بر گناہ گاراں

مولانا جامؔی کی شاعری میں ان کا انداز عموماً قدر انفرادی ہوتا ہے اوران کے تخلیقی وجدان میں جمالیات اور حقیقت پسندی کی جوفکری سرشاری ہے وہ ان کی شاعری میں بالکل نئی اور عجیب وغریب اہمیت کی حامل بنتی محسوس ہوتی ہے اوراسی سے ان کی شاعری میں زندگی کی حرارت اور حرکی توانائی بھی پیدا ہوتی ہے۔ان کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک صرف الفاظ کی ادا کارانہ ترتیب اور قافیہ پیمائی کا نام شاعری نہیں ہے بلکہ فکر وتخیل، تجربات ومشاہدات اوراحساسات جذبات کے تخلیقی حسن کے ساتھ فنی اظہار کا نام شاعری ہے اور ہر اچھی اور قابل قدر شاعری میں ان خصوصیات کا ہونا ناگریز بھی ہوتا ہے۔اس کے علاوہ فکری ریاضت اور فنی مزاولت بھی شاعر کے لیے درکار ہوتی ہے ،کیونکہ شاعری لفظوں میں زندگی کی حرارت اوراندرونی سوز کی آنچ لفظی پیکروں میں ڈھال دینے سے وجود میں آتی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جوفکری اورفنی زرخیزی کے ساتھ تہذیب اور تمدنی روایات واقدار اور کلاسیکیت کے رشتے اور عرفان کے بغیر ممکن نہیں ہوتی ہے۔یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ ماضی کے عرفان ،حال کے گیان اور مستقبل کے امکان سے شاعری میں حیرت انگیزی، کشش ، جاذبیت اور تاثیر در آتی ہے اور شاعری کے ان تمام اسرار ورموز سے مولانا جامؔی پورے طور پر واقف تھے۔ان کے لفظوں میں خیالوں کے ارتقاء میں جوربط وتسلسل ہوتا وہ دراصل زندگی کے اسی ماضی حال اور مستقبل کے ربط وتسلسل سے عبارت ہوتا ہے۔اس لئے ان کے کلام کی معنویت میں بھی ایک مخصوص قسم ضابطہ پسندی پائی جاتی ہے۔ایک سنجیدہ شاعر ہونے کی حیثیت سے انھوں نے اپنے دور کے مسائل ومیلانات اور تغیر زمانی کو بھی اپنی شاعری کا جزو بنایا ان کی شاعری ان کے دور کا ایک ایسا آئینہ خانہ ہے جس میں ان کے عہد کے بدلتے وقت کے بدلتے تقاضوں کی تصویر بخوبی دیکھی جاسکتی ہیں،لیکن وہ عشق رسول کا دامن تب بھی تھامے رہتے ہیں ان کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

مکن محروم جامیؔ را
درا آں یا رسول الله

☆☆

زمهجوری بر آمد جان عالم
ترحم یا نبی الله ترحم

☆☆

نه آخر رحمته للعالمینی
ز محروماں چرا فارغ نشینی

مولانا جامؔی کی کائنات نعت گوئی میں خلوص صداقت اور جذبات واحساسات کی شدت ہے۔انہوں نے اپنی نعت گوئی کے ذریعے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو نہایت فطری انداز میں عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مولانا جامی کی قادرالکلامی سے ان کی سچّی روحانی پاکیزگی اور والہانہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار

ہوتا ہے۔ان کی نعتوں میں کافی احتیاط اور وارفتگی جگہ جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔مونا جامی کا یہ وصف خاص ہے کہ مشکل ترکیبوں صنعت لفظی اور عبارت آرائی سے پرہیز کرتے ہوئے وہ اپنی نعتیہ شاعری میں بالکل ہی عام فہم سادہ اور سلیس زبان کا استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے مشکل سے مشکل مضمون بھی سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔نعت کا یہ نمونہ ملاحظہ فرمائی :

بروں آور سراز برد یمانی
کہ روئے تست صبح زند گانی

☆☆

شب اندوہ مارا روز گرداں
ز رویت روز مافیروز گرداں

☆☆

بہ تن در پوش عنبر ہوئے جامھہ
بہ سر بر بند کافوری عمامہ

حضرت مولانا جامؔی کا نعتیہ کلام اگر چہ عشق رسول ﷺ کا منھ بولتا ثبوت ہے لیکن نثر میں بھی انھوں نے اپنے عشق ومحبت کا اظہار کیا ہے۔سیرت رسول ﷺ پر آپ کی جامع کتاب ''شواہدۃ النبوۃ'' ہے جس کا ایک ایک لفظ عشق رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا ہے۔اس کے علاوہ اہل بیت اطہار علیہ السلام سے بطور خاص اپنی والہانہ محبت کے اظہار کے لیے ایک کتاب بعنوان ''بارہ امام'' لکھی۔مولانا جامؔی کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہیں کہ مولانا جامؔی قرآن کریم ،احادیث نبوی اور تاریخ اسلام کا عمیق مطالعہ کرکے اس نتیجے پر پہنچے کہ امت مسلمہ کے جملہ افراد کے لیے دنیا میں حصول عزت ووقار اور عقبیٰ میں سرخروئی اور کامیابی اہل بیت کی ولا میں ہی مضمر ہے۔ان کے نزدیک عشق خدا اور دین اسلام کے داعی سیدنا حضرت محمد ﷺ ہی ہیں۔جبکہ عشق رسول ؐ اور نصرت دین حق میں پیش پیش امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ ،اطاعت شوہر اور فرمانبرداری والدین میں لا ثانی حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام ،جاہ وجلال ،سطوت تخت سلطنت سے بے نیازوں کے سالار اور اتحاد بین المسلمین کے عملی مبلغ حضرت حسن علیہ السلام اور اہل بیت کے پانچویں فرد حضرت امام حسین علیہ السلام ہی اسلامی اصولوں کے محافظ اور اپنی آل اولاد کو قربان کرنے والے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مولانا جامؔی نے ان نفوس مقدسہ اور افراد پاک کی اطاعت وپیروی کو عامۃ المومنین کے لیے لابدی سمجھا اور اس کا اظہار بھی اپنے کلام کے ذریعہ بھرپور انداز میں کیا۔مولانا جامی کے کلام کا ہر گوشہ عشق رسول ؐ سے معمور ہے۔ان کے کلام میں نعت گوئی میں عشق رسول کو بیان کرنا یقیناً ایک وسیع موضوع ہے جسے چند صفحات میں سمیٹنا اور اس کے ساتھ انصاف کر پانا ممکن نہیں۔تشنگی کا احساس رہ جانا لازمی ہے۔لیکن یہاں کوشش کی گئی ہے کہ ان کی نعت گوئی کے حوالے سے اس موضوع کے ساتھ انصاف کیا جاسکے۔انھیں کلمات کے ساتھ مولانا جامؔی کے چند نعتیہ اشعار پر میں اپنی بات ختم کرنا چاہونگی کہ:

ادیم طائفی نعلین پاکن
شراک از شتۂ جانہائے ماکن

☆☆

فرود آویز از سر گیسواں را
فگن سایہ بہ پا سرو رواں را

☆☆

نسیما جانب بطحا گزر کن
زا حوالم محمد را خبر کن

(افسانہ) ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی۔ پروفیسر اردو ایسوسی ایٹ، عین شمس یونیورسٹی، قاہرہ۔ مصر

اجالوں کا بلاوا

ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ میں افسوسناک حالت میں گم سم کتابوں سے بھری اپنی لائبریری کو گھور رہی تھی۔ آدھی رات ہو چکی تھی۔ ہر طرف اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔ کچھ ڈھونڈنے کی چاہ میں میرے قدم بھٹک رہے تھے۔ تبھی وحشت ناک تاریکی نے مجھے آ پکڑا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کدھر جا رہی ہوں۔ بس کسی صاف ستھری راہ کی تلاش میں تھی تاکہ گندگی سے میری سفید سینڈلوں کو داغ نہ لگنے پائے۔

میں اکیلی تھی، اور الجھی ہوئی بھی، مجھے اُن راہوں سے دشوار سفر طے کرنا تھا۔ سوچ سوچ کر آنکھیں نم ہوگئی تھیں۔ اچانک میرے اندر سے آواز آئی:

''تم یہاں، رات کے اندھیرے میں، کیا کرنے جا رہی ہو؟! اکیلی، تنہا کہاں جا رہی ہو؟!''

میں نے کہا:

''مجھے ایسا لگا جیسے اجالوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ کوئی بلا رہا ہے۔ شاید وہیں میری منزل ہے۔''

لیکن غیب سے ایک آواز آئی:

''میں ان اُجالوں تک تمہیں لے جاؤں گا۔''

میں نے کہا:

''تُو کون ہے؟!'' ''اور تو کیسے راہ سے آشنا ہوا؟!''

اس نے کہا:

''میں تمہاری مرضی اور احساس کی آواز ہوں۔ میرے ساتھ چلو!''

اسے بہت سخت مرحلہ عبور کرنا تھا۔ میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ اندھیرے میں ٹھوکر نہ کھائی اور اجالوں تک پہنچ گئی۔

میری مرضی اور احساس کی آواز نے اجالوں کے پاس مجھے پہنچا کر چھوڑ دیا۔

اس سفر میں کئی غلطیاں سرزد ہوئیں اور پہاڑ کی چوٹی جیسی اونچی رکاوٹیں کھڑی ہوئی لیکن مرضی اور احساس کی آواز کو سرکرنا ناممکن تھا۔ حالانکہ نفرت، کینہ، دشمنی، حسد، جلن، بے رحمی، مکر، گستاخی، غیبت، توہین اور تذلیل جیسی رکاوٹیں راہ میں آئی تھیں۔

ناقابلِ برداشت اور تکلیف دہ خیالات میرے ذہن سے متصادم ہونے لگے۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میرے سر پر بے رحم ہتھوڑوں سے ضربیں لگائی جا رہی ہیں۔ میری کھوپڑی کو چکنا چور کیا جا رہا تھا۔

تبھی مجھے خیال آیا کہ میں ایسی چیزوں سے کیوں پریشان ہوں؟!

جب میں کسی سے نفرت نہیں کرتی!!

جب میں کسی سے دشمنی نہیں کرتی!!

جب میں کسی کو اذیت نہیں دیتی!!

پھر!

اپنی عزتِ نفس رکھنے کے لئے میں جو کچھ کر سکتی تھی، میں نے کیا ہے۔

میں نے تو ہمیشہ جینے کے لیے اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ کبھی آنسو بہاتی تھی، کبھی میرے سینے میں آتش فشاں پھٹنے لگتا تھا۔ اور کبھی اچانک پاگل پن کا دورہ پڑتا تھا اور میں اپنی مٹھی سے سر اور چہرے کو کوٹنے لگتی تھی۔ یہاں تک کہ میرے چہرے کے سبھی حصے لرزنے لگتے تھے۔ اور میں اکیلی، روتی رہتی اور ریزہ ریزہ محسوس کرتی تھی۔ میرا بدن لرزنے لگتا تھا۔ اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ موسمِ سرما کی شدید ٹھنڈ میں میرا برہنہ جسم سردی سے کانپ رہا ہے۔

اُس وقت مجھے ایک مددگار اور ایک ساتھ دینے والے ہاتھ کی اشد ضرورت تھی۔ جو مجھے اس عذاب سے نکال سکے۔

میں آہستہ آہستہ چل رہی تھی جیسی کوئی روح کراہتی ہو، میں درد سے تڑپتی زندگی اور خودکشی کے درمیان متذبذب تھی۔ تبھی رات کی تاریکی میں ایک ہاتھ میری طرف بڑھا اور بولا:

''اپنا ہاتھ مجھے دے دو!''

میں چونک کر ڈر گئی۔ یہ کون ہے؟ کس کی آواز ہے؟ کون مجھے سہارا دے رہا ہے؟ یہ کسی دشمن کا ہاتھ تو نہیں ہے؟!

اس نے دوبارہ نرمی سے مجھ سے کہا اور اس کی آواز میں خلوص دلی اور ہمدردی جھلک رہی تھی اور چہرے پر فرشتوں کی سی معصومیت نمایاں تھی:

''مجھ سے مت ڈرو!''

میں نے پوچھا:

تُو کون ہے؟!

اس نے جواب دیا:

''میں قابلِ بھروسہ ہوں، قابلِ یقین اور قابل اعتماد ہوں۔ میں تمہارا دوست ہوں۔''

اس کی بات سن کر میں ہچکچائی لیکن اُس نے اصرار کیا:

''تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ میں راہ کے رازوں کو جانتا ہوں۔ سلامت اور حفاظت کے ساتھ تمہیں پہنچانے میں مدد کروں گا۔ میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔''

اُس کی حوصلہ بھری آواز اور مسکراہٹ میرے دل کی گہرائیوں میں اترتی گئی۔ میرے دل نے مجھے آواز دی: ''اسے اپنا ہاتھ دے دو۔''

میں نے اُس کو اپنا ہاتھ دے دیا۔

اُس نے میرا ہاتھ تھاما اور کہا:

''اب ذرا آسمان کی طرف دیکھو۔ کیا دیکھ رہی ہو؟''

میں نے کہا: ''میں ایک بادل دیکھ رہی ہوں۔''

اُس نے نرمی سے کہا:

''چلو اس بادل پر سوار ہوتے ہیں''۔ وہاں تمہیں تمام خوشیاں، روشنی اور صاف ہوا ملے گی اور وہاں کمال اور تخلیقیت کے عالم میں تمہیں سکون ملے گا۔ جس کی تمنا تم ایک مدت سے کر رہی ہو۔''

قلم کاروں سے

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں اشاعت کے لیے معیاری اور تصحیح شدہ مضامین، نظمیں اور دیگر تحریریں ان پیج فائل میں ارسال کریں۔ غیر معیاری، غیر اصلاح شدہ اور کمپوزنگ کی بے شمار غلطیوں والے مضامین، نظمیں و دیگر تحریریں ہم شائع کرنے سے معذور رہیں گے۔

(مدیر)

صبیحہ سلطانہ۔ ریسرچ اسکالر اورینٹل لینگویج، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد

قمر جمالی کے ڈرامے ''سنگریزے'' کا تنقیدی مطالعہ

حیدرآباد کی خواتین قلم کاروں میں قمر جمالی کا نام سرفہرست ہے۔ قمر جمالی بنیادی طور پر افسانہ نگار ہیں، لیکن انہوں نے ناول، ڈرامے اور تبصرے و دیباچے بھی لکھی ہیں۔ ان کے افسانے میں گھر، پریوار اور ان کے رشتوں کی بھینی بھینی خوشبو کا احساس ہوتا ہے۔ انہوں نے ان رشتوں کو بہت قریب سے محسوس کیا ہے اور اسے اپنی کہانیوں کے ذریعے قاری تک پہنچایا ہے۔

قمر جمالی کی پیدائش 2 / اپریل 1948ء کو حیدرآباد میں ہوئی۔ ان کا اصلی نام قمر سلطانہ ہے، لیکن انہوں نے ادبی دنیا میں اپنی شناخت قمر جمالی کے نام سے بنائی۔ ان کی ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے جامعہ عثمانیہ سے بی اے اور اسی میں ایم اے کی سند حاصل کی۔

قمر جمالی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بطور تحصیلدار آندھرا پردیش کے مختلف شہروں میں اپنی خدمت انجام دیتے ہوئے اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہوئیں۔ اس وقت قمر جمالی انجمن ترقی پسند مصنفین حیدرآباد کی باضابطہ رکن ہیں اور آج بھی اس انجمن کی سیکریٹری کی حیثیت سے اپنی خدمت انجام دے رہی ہیں۔

قمر جمالی کی ادبی زندگی کا آغاز 1966ء میں ہوا۔ ان کی پہلی کہانی 14 سال کی عمر میں ''اے چاند چھپ جانا'' دہلی سے نکلنے والے ہفت روزہ میگزین ''روداد حیات'' میں شائع ہوئی۔ ان کی دوسری کہانی 1969ء میں ''فاصلے مٹ گئے'' کے عنوان سے دہلی ہی کے اس وقت کے مشہور رسالے ''بیسویں صدی'' میں شائع ہوئی۔ بیسویں صدی جیسے معروف رسالے میں کہانی چھپنے کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر اعتبار حاصل ہوا اور وہ دلجمعی کے ساتھ لکھنے لگیں۔ اس کے بعد تو قمر جمالی کی کہانیاں روز بہ روز بڑے سے بڑے رسالوں کی زینت بننے لگیں۔ ان کی کہانیوں کے اب تک پانچ مجموعے ''شبیہ'' 1990ء، ''سبوچہ'' 1992ء، ''سحاب'' 2001ء، ''زُہاب'' 2007ء اور ''صحرا بکف'' 2015ء میں منظر عام پر آئے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک ناول ''آتش دان'' کے عنوان سے 2014ء میں شائع ہوا۔ قمر جمالی نے افسانے اور ناول کے علاوہ ڈرامے اور دیباچے و تبصرے بھی لکھے ہیں۔ ان کے ایک ڈرامے کا مجموعہ ''سنگریزے'' کے عنوان سے 1993ء میں اور ایک تبصروں و دیباچوں کا مجموعہ ''انعکاس'' کے عنوان سے 2012ء میں منظر عام پر آئے، جو ادبی دنیا میں اہمیت کے حامل ہیں۔

ان کے طرز تحریر میں دلکشی پائی جاتی ہے۔ کہانی میں تحیر و تجسس کے عنصر کے ساتھ طریقہ کار اتنا دلکش ہوتا ہے کہ قاری کو شروع سے ہی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اسی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے قمر جمالی نے متعدد

ڈرامے لکھے ہیں، جو آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہو کر مقبول عام پا چکے ہیں۔ انھوں نے اپنے ریڈیائی ڈراموں کا انتخاب ''سنگریزے'' کے نام سے شائع کرایا ہے۔ دیگر مصنفوں کی طرح قمر جمالی نے اپنے ریڈیائی ڈراموں کو اسٹیج ڈرامے کی تکنیک میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ ڈراموں کا مجموعہ ''سنگریزے'' 1993ء میں خورشید پریس چھتہ بازار حیدرآباد سے شائع ہوا ہے۔ اس مجموعے میں جملہ پانچ ڈرامے ''ریشماں''، ''پورنیما''، ''تنہا تنہا''، ''سنگریزے'' اور ''اونچے لوگ'' شامل ہیں۔ یہاں پر قمر جمالی کے سب سے مشہور ڈرامے ''سنگریزے'' کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ڈراما ''سنگریزے'' 8/جنوری 1988ء کو آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے نشر کیا گیا ہے۔ اس ڈرامے میں پانچ کردار ہیں۔

1۔ سیف احمد فراز: ایک نوجوان لڑکا ہے۔ کرنل فیضان کا لڑکا، جو ہو بہو اپنے باپ کا ہم شکل ہے۔

2۔ نبی بابا: ایک معمر شخص ہے۔ کرنل فیضان کی کوٹھی ''فروزاں'' کا نگران کار۔

3۔ وحیدے: نبی بابا کی شریک حیات۔

4۔ شکورے: کم عمر ملازم لڑکا۔

5۔ مائی: پوری کہانی میں اس کا ذکر ہے، مگر صرف ایک مکالمہ ادا کرتی ہے۔

مرکزی کردار احمد فراز اور مائی کی ہے۔ مائی کا صرف ایک مکالمہ ہے مگر پورے ڈراما میں اس کا ذکر ہوتا ہے۔ یہ ایک محبت زدہ لڑکی کی کہانی ہے جو چھپ کر ایک شخص سے پیار کرتی ہے مگر کسی پر ظاہر نہیں کرتی۔ وہ پیار میں اس قدر دیوانی ہے کہ اس شخص کے ہم شکل بیٹے کو اسے ہی سمجھ بیٹھتی ہے اور رات کو چھپ کر اس کا دیدار کرتی ہے۔ ڈراما رومانی ہے۔ مگر قمر جمالی نے اس قدر ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے کہ ڈراما کے پورے ماحول میں تجسس اور آسیبی فضا چھائی ہوئی ہے۔ رفعت سروش لکھتے ہیں:

> ''''سنگریزے'' قمر جمالی کے مشاق قلم اور تخلیقی ذہن کا ایک اور خوبصورت نمونہ ہے۔ اس ڈرامے میں قلم کی تحیر آمیزی اور مکالموں کی چستی اور بے ساختگی شباب پر ہے۔ (suspense) پیدا کرنے کی عادت نے قمر جمالی کو یہ فن بخشا ہے کہ سامنے کی بات اس طرح گھما پھرا کر کہے کہ ہر منظر ڈرامائی انداز سے ظاہر ہو اور ڈرامائی انداز سے ہی آنکھوں سے اوجھل ہو۔'' (سنگریزے، ص:19)

ڈرامے کا قصہ یوں ہے۔ کرنل فیضان اپنے دوست احسان سے ملنے جاتے ہیں، جو کہ ایک پہاڑی علاقے میں رہتے ہیں۔ وہاں کی جگہ کرنل فیضان کو بہت پسند آتی ہے۔ وہ وہاں اپنے رہنے کے لیے ایک کوٹھی بنواتے ہیں۔ کچھ دنوں رہنے کے بعد وہ ہندوستان سے باہر چلے جاتے ہیں۔ کوٹھی کا ایک ملازم نبی بابا کوٹھی کی نگرانی کے لیے وہیں رہتے ہیں۔ پندرہ سال بعد کرنل فیضان کا بیٹا سیف احمد فراز وہاں آتا ہے۔ وہ کوٹھی میں کچھ دن ٹھہرنا چاہتا ہے۔ احسان کی بیٹی جو کہ کرنل فیضان کے عشق میں مبتلا تھی وہ سیف احمد فراز کو فیضان

سمجھ بیٹھتی ہے۔ وہ رات کے سناٹے میں کوٹھی کے کھڑکی سے سیف احمد فراز کا دیدار کرتی ہے۔ مگر آسیب سمجھ کر محافظ اسے گولی مار دیتا ہے۔ بیشک فنی اعتبار یہ ڈراما ایک شاہکار ہے۔ ریڈیو کے لیے صوتی اثرات اور صوتی زبان کا استعمال بہت ہی اچھے طریقے سے کیا گیا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''(پس منظر میں گھڑی کے دس بجنے کی آواز)

سیف: افوہ دس بج گئے مگر نیند کا کوسوں پتا نہیں۔ نبی بابا نے تو مجھے بالکل بچہ بنا دیا ہے تمام دروازے کھڑکیاں بند کر دیے۔ کیسی ہول آرہی ہے۔ کوئی تو کھڑکی کھلی ہونی چاہیے۔

(کھڑکی کے پٹ کھولنے کی آواز)

اُف۔ پہاڑی علاقے کی رات کس قدر سیاہ ہوتی ہے۔ (پانی انڈیل کر پینے کی آواز)

جانے کیا ہورہا ہے مجھے .....چین نہیں پڑتی۔ (پازیب کی آواز)

سرگوشانہ انداز میں) یہ ..... یہ آواز....

(دور سے پازیب کی آواز)

آج پھر..... پھر..... پھر وہی آواز (پازیب کی آواز جیسے کوئی دبے پاؤں چل رہا ہو، اور آہستہ آہستہ قریب آرہا ہو۔)

(ڈر کر) کون..... کون ہے وہاں؟

لڑکی: (مدھم قہقہہ۔ اور پازیب کی آواز جیسے کوئی بھاگ گیا ہو۔)

سیف: (خوف و دہشت سے) کون .... کون ہے۔ (دروازہ زور سے کھولنے کی آواز) یہاں تو..... یہاں تو کوئی نہیں ہے۔ یہ... یہ میرا وہم ہرگز نہیں ہوسکتا .... میں نے دیکھا ہے کوئی ہیولا تھا۔ کھڑکی سے اندر کی طرف جھانک رہا تھا۔ کوئی تھا۔۔ (زور سے) او .....میرے خدا..... یہ سب کیا ہورہا ہے۔

''(سنگریزے، ص:132)

المختصر یہ کہ قمر جمالی نے اس ڈرامے میں ڈراما کے تمام فنی پہلوؤں کو بہت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ ڈراما نگار کو اپنے اداکاروں کو بھی نظر میں رکھنا پڑتا ہے۔ اسے اداکاروں اور تماشائیوں کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے اسٹیج کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے، جس پر اس کا ڈراما پیش ہونا ہے۔ اسٹیج ایک سانچہ ہے جس میں ڈراما نگار اپنے خیالات کو ڈھال کر پیش کرتا ہے اور اس کے خدوخال اس دور کی تھیٹر کی ضروریات متعین کرتی ہیں۔ ان ضروریات کو سمجھے بغیر کسی ڈرامائی تخلیق کو سمجھنا بھی مشکل ہے۔ لہٰذا ڈرامے کا مطالعہ جب ہی مکمل ہوگا جب اس عہد کے اسٹیج کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ ہر دور کا اسٹیج اور اس کی ضروریات بدلتی رہتی ہیں، جو ڈرامے کی پوری ساخت کو متاثر کرتی ہیں، لہٰذا ڈراما نگار کو اور چیزوں کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے اسٹیج اور اس کی ضروریات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ قمر جمالی نے ان تمام باتوں کا خیال رکھتے ہوئے اس ڈرامے کو قلم بند کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈراما ''سنگریزے'' نہ صرف یہ کہ قمر جمالی کے تمام ڈراموں میں سب سے زیادہ مشہور ہوا ہے بلکہ اس ڈرامے کو اردو ڈراموں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

احمد حسن۔ریسرچ اسکالر(شعبۂ اردو) گجرات یونیورسٹی،احمد آباد

عرفان صدیقی کی شعری کائنات

بیسویں صدی کے نصف ثانی کو جدیدیت کا دورعروج کہا جاتا ہے۔اس دور میں جن شعرانے اپنے منفرد لب ولہجے کی وجہ سے شہرت حاصل کی ان میں ایک نمایاں نام عرفان صدیقی کا ہے۔عرفان صدیقی نے تقسیم ہند کے بعد اردوادب کی دنیا میں قدم رکھا۔عرفان صدیقی ایک منفرداور جدیدلب ولہجے کے شاعر تھے لیکن جدیدیت میں جدیدشعرا جس طرح کی شاعری کررہے تھے۔عرفان صدیقی کی شاعری ان سے ایک الگ شناخت رکھتی ہے۔ان کی شاعری کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان کی شاعری کربلائی استعارات وعلائم سے تعلق رکھتی ہے جس کو زمانہ حال میں بڑی وقعت حاصل ہے۔ان کے کلام میں ہمیں زندگی کی تبدیلیاں دکھائی دیتی ہیں۔عرفان صدیقی کی شاعری میں جس طرح خوشی کا بیان ملتا ہے اسی طرح غم وغصہ کا اظہار بھی ملتا ہے اور بعض دلکش منظر کی عکاسی بھی موجود ہے اور ساتھ ساتھ روحانی فضاوتصوفانہ افکاراورعشق کی کارپردازیاں بھی موجود ہیں۔

عرفان صدیقی کی ابتدائی غزلوں میں وہ ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں جوروایتی شاعری کا امتیازی اوصاف ہیں ۔روایت ایک پشت کو دوسری پشت سے جوڑتی ہے کیوں کہ روایت ماضی،حال،مستقبل تینوں سے منسلک ہوتی ہے۔عرفان صدیقی نے روایت شکنی نہیں کی اورنہ ہی جدیدیت کے آگے سرتسلیم خم کیا۔ان کی شاعری میں جدیدیت کے عناصر کی جھلکیاں تو ضرور ملتی ہیں لیکن جدت پسندوں کی طرح ان کے یہاں تشدد نہیں ملتا ہے۔عرفان صدیقی کے وہ اشعار ملاحظہ ہوں،جن پر اساتذہ کا اثر صاف دیکھائی دیتا ہے میرؔ کا یہ شعر دیکھیں:

کیا حال پوچھتے ہواے پورب کے ساکنو!
ہم غریب جان کے ہنس ہنس پکار

اسی مفہوم کوعرفان صدیقی نے اپنے اشعار میں اس طرح بیان کیا ہے:

اجنبی جان کے کیا نام نشاں پوچھتے ہو
بھائی ہم بھی اسی بستی کے نکالے ہوئے ہیں

اس میں عرفان صدیقی نے 'بستی' کو استعارہ کے طور پر پیش کیا ہے یعنی ہم جنت سے نکالے گئے ہیں۔اس کے بعد غالبؔ کے اس اشعار کو اپنے سامنے رکھیں غالبؔ لکھتے ہیں:

ان کے دیکھے سے جوآجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

غالب کے اس شعر کے مفہوم کوعرفان صدیقی نے اس طرح پیش کیا ہے:

اس نے کیا دیکھا کہ ہرصحرا چمن لگنے لگا
کتنا اچھا اپنا من اپنا بدن لگنے لگا

جگرمرادآبادی لکھتے ہیں:

کیا حال پوچھتے ہو میرے کاروبار کا
آئینہ بیچتا ہوں اندھوں کے شہر میں

عرفان صدیقی اس مفہوم کواس طرح بیان کرتے ہیں:

بہت ہے آئینے جن قیمتوں پہ بک جائیں

یہ پتھروں کا زمانہ ہے شیشہ گر میرے

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ عرفان صدیقی شعری روایت کے ساتھ ساتھ اپنے اشعار کو نئے انداز میں پیش کرنے کا طریقہ بھی جانتے ہیں۔انہوں نے احساس کی مناسبت سے کلام موزوں کو مختلف قرینے سے پیش کیا ہے جس میں عشق کے وہ پہلو سمٹ آتے ہیں جو کبھی میر اور غالب سے چل کر فیض احمد فیض تک آئی تھی انہوں نے عشق کو ایک نئے ڈھنگ میں پیش کیا اور عشق کی ترجمانی کرتے وقت جو لہجہ استعمال کرتے ہیں وہ ہی ان کی کامیابی کی راز ہے اور ساتھ ہی ساتھ زندگی کے معاملات و مسائل کو داخلی حوالوں سے پیش کرتے ہیں:

مجھے کچھ شوق نظارہ بھی ہے پھولوں کے چہرے کی
مگر کچھ پھول چہرے میری نگرانی بھی کرتے ہیں
تو مجھے کتنے ہی چہروں میں نظر آتا ہے
کوئی پوچھے تو میں کیا نام بتاؤں تیرا
تو میرے عشق کی دنیائے زباں کا سچ ہے
کیوں کسی اور کو افسانہ سناؤں تیرا

عرفان صدیقی کی شاعری میں جگہ جگہ خوابوں کا ذکر ملتا ہے جس طرح عام انسان خواب دیکھتے ہیں اسی طرح شاعروں نے بھی یہ خواب دیکھا تھا کہ جب ہمارا دیش آزاد ہوگا اور جب ہم کو آزادی حاصل ہوگی تو ہمارے ملک سے غربت و ناداری اور موقع کی ناہمواری کے سیاہ بادل چھٹ جائیں گے اور ایک ایسے سماج کی تشکیل ہوگی جس کی بنیادیں حق اور انصاف پر ہوں گی۔جیسے وہ لکھتے ہیں:

کاش میں بھی یاروں کا کہا مان سکوں
آنکھ کے جسم پہ خوابوں کی ردا تان سکوں
دو جگہ رہتے ہیں ہم ،ایک تو یہ شہر ملال
ایک وہ شہر جو خوابوں میں بسایا ہوا ہے
خدا کا شکر ابھی میرے خواب ہیں آزاد
مرے سفر مری زنجیر پا میں زندہ ہیں

آزادی اور تقسیم وطن کے بعد انہیں صرف مایوسی ہی ہاتھ لگی اور تقسیم وطن کے نتیجے میں ان کے خواب خواب ہی رہ گئے۔ایک جگہ لکھتے ہیں:

مجھے الجھا دیا دانش کدوں نے صرف خوابوں میں
کوئی تعبیر رکھ دو میرے بچوں کی کتابوں میں
مرے خوابوں کے دریا خشک ہو جائیں
نہیں اے چشم تر ایسا نہیں تھا

عرفان صدیقی کی شاعری میں جگہ جگہ خوابوں کے ٹوٹنے کا ذکر نہیں ملتا ہے بلکہ ان کا خواب سکون اور رواداری کا خواب ہے۔جب ہمارے دیش کے حالات اچھے ہوں گے اور ہمارا دیش جنت نما ہو جائے گا آخر کار وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور بات کہتے ہیں کہ نیند شرط نہیں خواب دیکھنے کے لیے:

اٹھو یہ منظر شب تاب دیکھنے کے لیے
کہ نیند شرط نہیں خواب دیکھنے کے لیے

جدید اردو شاعری میں طرز موثرت و کلچر کا شکست، ہجرت، تنہائی، دہشت وخوف اور فسادات جیسے موضوعات کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ملک کو آزادی کی بے بہا دولت حاصل ہوئی۔حصول آزادی کے طور پر ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اس تقسیم نے دونوں ملکوں میں کشت وخون اور تباہی و بربادی کا وہ ہیبت ناک عالم پیش کیا جس کی نظیر تاریخ عالم میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔تقسیم کے نتیجے میں رونما ہونے والے فسادات نے ہجرت، نقل مکانی ، بے بسی، بے چارگی، ویرانگی اور اداسی جیسی منفی قدروں سے ہزاروں لوگوں کو دوچار کیا اور کچھ سالوں بعد بابری مسجد کا

سانحہ ہوا،اسی طرح گجرات فساد جس میں طرح طرح کے مظالم وبربریت اور سفاکی کا مظاہرہ دیکھنے کو ملا جس سے انسانیت مجروح ہوئی۔ گجرات فساد میں قتل وغارت گری اور تذلیل انسانی کا جو ننگاہ ناچ ہوا۔اس وقعات کو بہت سے شاعروں نے اپنی شاعری میں تصویر کشی کی ہے۔جیسے محمد علوی نے گجرات فساد کے خون ریز مناظر کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔انہوں نے ان مناظر کو اس طرح سے پیش کیا ہے۔:

اوروں کے گھر جلا کے قیامت نہ کرسکا
گھر جل گیا مگر میں شکایت نہ کرسکا
بھید کیوں کھلتا نہیں دیوار و در میں کون ہے
گھر سے بے گھر ہوگیا ہوں، میرے گھر میں کون ہے

سہمے ہوئے ہیں کتے
لاشوں سے ڈر رہے ہیں
رات پڑے گھر جاتا ہے
صبح تلک مرجاتا ہے

ان اشعار کے مطالعہ سے احمد آباد شہر کی بربادی کی تصویر کشی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔اب اس کے بعد گجرات فساد کے پس منظر میں عرفان صدیقی کی کہی گئی غزل دیکھیں جس میں انہوں نے اقبال کی طرح خدا سے شکوہ بہ لب ہوئے ہیں۔:

حق فتح یاب میرے خدا کیوں نہیں ہوا
تونے کہا تھا تیرا کہا کیوں نہیں ہوا
جب حشر اسی زمیں پہ اٹھائے گئے تو پھر
برپا یہیں پہ روز جزا کیوں نہیں ہوا
وہ شمع بجھ گئی تھی تو کہرام تھا تمام
دل بجھ گئے تو شور عزا کیوں نہیں ہوا
جو کچھ ہوا وہ کیسے ہوا جانتا ہوں میں
جو کچھ نہیں ہوا وہ بتا کیوں نہیں ہوا

عرفان صدیقی کی شاعری کا ایک اہم موضوع ہجرت ہے۔ہجرت ایک جگہ سے دوسرے جگہ یا ایک وطن سے نئے وطن کی طرف منتقل ہوجانے کو ہجرت کہتے ہیں ایک آدمی ازخود ہجرت نہیں کرنا چاہتا ہے بلکہ بہت سے مذہبی وسیاسی اور معاشی حالات سے مضطرب ہوکر ہجرت کرتا ہے۔تقسیم ہند ایک ایسا الم ناک اور افسوسناک امر تھا کہ جس کا اثر برصغیر ہندوپاک کے بہت سے افراد پر ظاہر ہوا۔یہ ایک ایسا حادثہ تھا کہ جس نے ہم کو اپنوں سے الگ کردیا اور مستقل ہجرت نے انسان کو تکالیف کا خوگر بنادیا انسان کے اس کرب،دکھ درد ومجبوری اور مظالم کو اپنے اشعار میں اس طرح پیش کیا ہے۔:

میں اپنی کھوئی ہوئی بستیوں کو پہچانوں
اگر نصیب ہو سیر جہاں گم شدگاں
دوجگہ رہتے ہیں ہم ،ایک تو یہ شہر ملال
اور اک وہ جو خوابوں میں بسایا ہوا ہے
سفر طویل ہے اگلا قدم اٹھاتا ہوں
میں پھر سے گم شدگاں کے علم اٹھاتا ہوں

عرفان صدیقی نے اپنی شاعری میں کچھ الفاظ کو بڑے خوبصورت انداز میں استعمال کیا ہے۔یہ مخصوص الفاظ ہی ان کی علامتیں بن گی ہیں مثلاً تیغ،تیغ جفا،سر، نیزہ،نوک نیزہ، تیرگلو،گلو،لہو،موج،موج خوں،قتل،قاتل، مقتل،شجر،جنگل، ہوا،موج ہوا،شہر،گھر ودشت اور حشت وغیرہ الفاظ کو اپنے غزلوں میں اس طرح پیش کیا ہے کہ قاری پڑھ کر چونک اٹھتا ہے۔درجہ ذیل الفاظ وعلامات پر مشتمل چند اشعار ملاحظ ہو۔:

واقعی کیا اسی قاتل کی طرف تو بھی ہے
تو بھی ہے اے مری جاں تیغ بکف تو بھی ہے

میں چاہتا تھا کہ کچھ سرکشی کی داد ملے
تو اب کے شہر میں تیغ جفا چلی ہی نہیں

اس طرح کے بہت سے اشعار ملیں گے جس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرفان صدیقی کی شعری لفظیات ہی ان کی اصل پہچان ہے۔اردو شاعری میں میر وغالب سے لے کر عرفان صدیقی تک واقعہ کربلا کے تاریخی واقعے کو عصری معنویت عطا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اور اس کے ذریعہ اپنے عہد کے مسائل کو بڑے عمدہ طریقے سے عکاسی کی ہے۔لیکن عرفان صدیقی نے واقعہ کربلا کو جس حسن وخوبی کے ساتھ اپنی شاعری میں سمویا ہے وہ ہی دوسروں کے مقابلے میں انہیں ممتاز کرتی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

اسیر کس نے کیا موج موج پانی کو
کنارے آب کے پہرہ لگا ہوا کیسا
وہ مہرباں اجازت تو دے رہا ہے مگر
اب آگئے ہیں تو مقتل سے لوٹنا کیسا
یہ ایک صف بھی نہیں وہ ایک لشکر ہے
یہاں تو معرکہ ہوگا ،مقابلہ کیسا

ان اشعار میں عصری معنویت کی فضا پوری طرح برقرار ہے۔عرفان صدیقی کی شاعری کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے غم جاناں اور غم دوراں کو اچھی طرح سے سمجھا ہے اور اس کو اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔لکھتے ہیں:

جو میرا دکھ ہے وہ ،ہر شخص کا دکھ لگتا ہے
میں کیسے غیر کہوں اور کیسے اپنا لکھوں ؟

المختصر یہ کہ عرفان صدیقی کی شاعری میں تہذیبی روایت کے ساتھ ساتھ جدید رنگ کو اپنی تہذیبی روایت میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔انہوں نے اپنی شاعری میں کلاسیکی رنگ، جذبات وخیالات وعلامتوں اور استعارات کے ذریعہ احساسات وخیالات کو بڑے خوبصورت انداز میں ڈھالا ہے اور اپنی شاعری کے مواد کے لیے عمدہ الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔انہی وجوہات کی بنا پر ان کی شاعری میں انفرادیت اور اثر انگیزی کے جوہر پیدا ہو گئے ہیں۔

ابوھریرہ یوسفی

غزل

مجھ کو بڑا ہی عشق ہے اُردو زبان سے
ظاہر یہ ہو رہا ہے مرے ہر بیان سے
تخلیق کی خدا نے حکومت کے واسطے
محکوم کس لیے ہے تو کافر کا شان سے
کتنی بری فضا ہے ہمارے وطن کی آج
سچ بولتا ہے جو بھی وہ جاتا ہے جان سے
میں کیا کروں گا لے کے یہ اونچی حویلیاں
پہچان ہے بنی مری اجڑے مکان سے
مچھر کے پر کے مثل ہے عالم کی حیثیت
کیوں دل لگا رہا ہے تو فانی جہان سے
اب تک فلک پہ تیری رسائی نہ ہو سکی
زیرِ زمیں تو ہو گیا اونچی اُڑان سے
چھوڑو نہ تم نماز کبھی میرے بھائیو!
اللہ چاہتا ہے عبادت جوان سے
آنکھیں بچھی ہیں دل بھی ہے رستے میں یوسفی
''وہ آرہا ہے آج بڑی آن بان سے''

محمد صالح انصاری طالبِ علم الہ آباد یونیورسٹی

والدین کی عظمت

بچے جس ماں کی گود میں ولادت پاتے ہیں اگر وہ ماں نیک دیندار اور باعزت ہے تو بچے میں بھی وہ سارے اثرات وقت کے ساتھ نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ جس والد کے سر کی چھاؤں میں وہ بڑا ہوتا ہے اگر وہ والد ایماندار، انصاف پسند اور حق شناس ہے تو وہ سارے کردار اس بچے میں بھی آ جائیں گے جو اس والد میں ہے۔ لیکن اگر پرورش کرنے والی ماں دیندار نہیں ہے اس کو اسلامی احکام کی سمجھ نہیں ہے کہ کیسے اسلامی طریقے پر بچّے کو پرورش کرنی ہے، اگر صحیح معنوں میں اس بات کا صحیح علم نہیں ہے تو ایسا نہیں ہوگا کہ وہ بچہ بڑا نہیں ہوگا، وہ بول نہیں پائے گا، وہ کچھ سمجھ نہیں پائے گا۔ وہ بولے گا بھی، وہ سمجھے گا بھی اور وہ ہر چیز کا جائزہ بھی لے گا لیکن بچّہ جیسے جیسے بڑا ہوتا جائے گا اُس کے اندر سے ماں کی محبت کم ہوتی جائیگی اُس کے اندر سے ماں سے حقیقی پیار کا جذبہ کہیں گم ہوتا جائیگا۔ کیونکہ اس کو اس وقت صرف ماں سے جذباتی محبت ہوگی نہ کی حقیقی۔

یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کی جذباتی اور حقیقی محبت میں کیا فرق ہوتا ہے۔ جذباتی محبت ایسی محبت ہوتی ہے جو ایک بچے کو ماں کے ساتھ یا ہر کسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن ماں کے ساتھ یہ رشتہ کچھ زیادہ ہی مضبوط ہوتا ہے اور دوسروں کے ساتھ کمزور۔ جیسے اگر ماں کی طبیعت خراب ہو جائے یا ماں کو چوٹ لگ جائے تو بچّہ بھی غمگین ہو جاتا ہے اور ماں سے ہمدردی دکھانے لگتا ہے اُسکی باتوں کو کچھ وقت کے لیے ماننے لگتا ہے اور دھیرے دھیرے یہ رشتہ کمزور ہوتا جاتا ہے کیونکہ اس کو صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کی یہ میری ماں ہے جس نے ہم کو اللہ کے حکم سے پیدا کیا۔

دوسری چیز ہوتی ہے حقیقی محبت یا جذباتی محبت جو کچھ عمر کے بعد بچے کے دل میں پیدا ہوتی جاتی ہے جیسے جیسے بچا بڑا ہوتا ہے تو ماں باپ اس کو رشتوں کی قدر کرنا سکھاتے ہے اسکو بھائی، بہن، چاچا، دادا اور دادی کے رشتے کا احساس دلاتی ہے یہی رشتوں کی پہچان اور اسکی سمجھ پیدا کرنا ہی حقیقی محبت کو بچّے کے اندر پیدا کرتی ہے۔ جیسے جیسے بچّہ بڑا ہوگا اُسکا دماغی توازن بڑھے گا سوچنے غور کرنے اور فکر کرنے کی صلاحیت بڑھتی جائیگی یہ حقیقی محبت کا جذبہ بڑھتا اور بڑھتا ہی جائیگا۔

سوال یہ ہے کی یہ حقیقی محبت پیدا کیسے ہوگی۔ کیا یہ خود بخود پیدا ہوگی یا اس کو کسی طریقے سے بچے کے اندر سے ابھارا جاتا ہے۔

جی! ہاں یہ حقیقی جذبہ عشق جو ایک بچے میں کسی رشتے کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اس کو ابھارنے کی ضرورت پڑتی ہے اُسکا احساس دلانے کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ کام تب آسان ہوتا ہے جب ایک ماں تعلیم یافتہ اور باصلاحیت ہو۔ کیونکہ اگر ماں کو اپنے بچے کے اندر حقیقی عشق پیدا کرنے کا ہنر ہے تو اس بچے کو ایک عظیم اور عالیشان شخصیت بننے سے کوئی نہیں روک سکتا دنیا کی کوئی طاقت اسکو اس کام سے نہیں روک سکتی۔

اگر دنیا میں علامہ اقبال، صلاح الدین ایوبی اور عمر فاروق اعظم جیسی عظیم شخصیت نے دنیا کو کچھ کر کے دکھایا کچھ نیا دیا تو اُن میں ایک بہت بڑا کردار ان کے اپنے والدین کی پرورش تھی جس نے ان کے اندر رشتوں کی قدر اور ان کے پہچان کرنے کی صلاحیت کو پیدا کیا۔

یہاں ہم والدین کے رشتوں کی اہمیت پر خاص توجہ دیں گے اور اسی کو لے کر بات کریں گے۔ ہم یہ مان کر چل رہے ہیں کہ بچّے میں رشتوں کی قدر کرنا ایک ماں سے اچھا کوئی اور نہیں ابھار سکتا۔

بچے کے اندر حقیقی عشق کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ماں کو گھر اور باہر ہر رشتے کے اصلی حالت سے بچے کو واقف کرانا لازم ہے۔ اور وہ اس طریقے سے ہوگا کہ بچے کے کو بتایا جائے کہ "ماں صرف ماں نہیں ہوتی وہ آپ کا پورا وجود ہوتی ہے جب تم ماں کے پیٹ میں ہوتے ہو تو ماں کے قطرے قطرے خون سے تمہارا لوتھڑا بنتا ہے اور پھر دھیرے دھیرے ماں کے خون سے ہی تمہارا وجود بننا شروع ہوتا ہے۔ ماں کوئی کام اس وجہ سے نہیں کرتی تھی کہ کہیں بچّے کو تکلیف نہ ہو۔ ماں کو کوئی ایسی چیز جو اس کو پسند تھا اور وہ کھانا چاہتی تھی لیکن بس اس وجہ سے نہیں کھائی کہ کہیں بچّے کو نقصان نہ پہنچ جائے اور اس کی نشو ونما میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے۔"

جب تم پیٹ میں تھے تو آپکی ماں باہر کہیں اس لیے نہیں جاتی تھی کی کہیں اگر میں بیمار ہوئی تو میرا بچہ میرا جگر کا ٹکڑا بیمار پڑ جائیگا اسکو تکلیف ہوگی وہ پریشان ہو جائیگا۔ اور یہ کام کوئی ایک دن دو دِن یا ایک مہینہ یا دو مہینہ نہیں بلکہ پورے نو مہینے برداشت کیا۔ اس ماں نے آپکی وجہ سے اپنے بھوک کو برداشت کیا اپنے خوشیوں کا گلا گھونٹا اپنی چاہت کو پیچھے کیا صرف اور صرف اس وجہ سے کی میرے بچے کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

اور ایسا بھی نہیں تھا کی تمہارے پیدا ہوتے ہی یہ سارا کام ختم ہو گیا اور تم آزاد ہو گئے اور ماں آزاد ہو گئی۔ نہیں ایسا بالکل بھی نہیں تھا ابھی اس ماں کو تمہیں دودھ پلانا تھا اس ماں کو تمہاری دیکھ بھال اور پرورش کرنی تھی تم کو راتوں کو چار چار پانچ پانچ مرتبہ اُٹھا کر پیشاب کرانا تھا ذرا سوچو کیا وہ ماں سو پاتی ہوگی اگر وہ نہیں سو سکتی تھی تو کیوں؟ صرف آپکی وجہ سے۔ پھر دن بھر تم ماں کی گود میں بیٹھے رہتے تھے اور اس ماں کے علاوہ کسی کے گود میں جانا تمہیں پسند نہیں تھا۔

بس اتنا ہی نہیں تھا اور بھی سارے کام گھر کے کرنے ہوتے تھے وہ تم کو اپنی گود میں لیکر کیا کرتی تھی اور تمہارے ساتھ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد بھی تمہارے لیے وہ ماں کبھی تھکن نہیں محسوس کرتی تھی اگر کبھی تم سو جایا کرتے تھے اور ماں جھولے میں ڈال کر کسی کام میں مشغول ہو جاتی تھی تو وہ پوری توجہ کے ساتھ کام اس وجہ سے نہیں کر سکتی تھی کی کہیں بچّہ رونے تو نہیں لگا کہیں وہ جاگ تو نہیں گیا کہیں اُس نے جھولے میں پیشاب تو نہیں کر دیا۔

ان سب احساس اور جذبے کے ساتھ ایک ماں نے آپکو ایک دن، دو دن، چار دن نہیں بلکہ جب تک آپ بڑے نہیں ہو جاتے جب تک آپ خود سے کام کرنا نہیں سیکھ جاتے جب تک آپ خود سے چلنا نہیں سیکھ جاتے یہاں تک کہ ہر کام آپ خود سے نہیں کرنے لگتے چاہے وہ چار سال کا وقفہ ہو یا دس سال اور بیس سال کا۔ ماں اس وقت تک آپکا ساتھ دیتی ہے۔ ہر قدم آپ پر اپنی جان قربان کرتی ہے اور ہر سانس آپکے ساتھ جیتی ہے ہر مشکل آپکے ساتھ بانٹتی ہے۔

ماں مکمل آپ کی وجود ہوتی ہے اگر ماں ہے تو

آپ ہیں اگر ماں نہیں ہے تو آپ نہیں ہیں، اگر ماں ناراض ہے تو آپ خوش کیسے ہیں اگر ماں تکلیف میں ہے تو آپ آرام کیسے کررہے ہیں۔

اگر آپکی ماں اس طرح آپ سے محبت کرتی ہے آپ کے ہر درد کو اپنا بناتی ہے آپکی ہر مصیبت کو اپنا سمجھتی ہے تو پھر آپ کیوں اس ماں سے آواز اونچی کرکے بات کرتے ہیں، آپ کیوں بات بات میں اسکو ٹوکتے ہیں آپ کیوں بات بات میں اسکو اذیت پہنچاتے ہیں۔ ابھی آپ بڑے بھی نہیں ہوئے کہ آپ اس ماں کو گالیاں تک دینے لگتے ہیں جس ماں نے آپکو بولنا سکھایا۔ اس ماں کو اسی کی زبان سے آپکو گالی دینے میں، اونچی آواز میں بات کرنے میں، انکو اذیت دینے میں، شرم نہیں آتی۔

اس طرح ایک بچے کے ذہن میں جب اس طرح کی باتیں پہنچے گی، وہ سمجھے گا تو اسکی اس عظیم شخصیت جسے ماں کہتے ہیں، اس ماں کے لئے احترام کا احساس ہوگا وہ سوچے گا، کچھ بولنے سے پہلے، وہ غور کریگا، کچھ کہنے سے پہلے، اسکو فکر ہوگی کسی بات پر ٹوکنے سے پہلے۔

ٹھیک اسی طرح سے بچّے کو یہ بھی بتایا جائے کہ ایک والد کیا ہوتا ہے وہ کیا کرتا ہے اُسکے ساتھ اُسکا رشتہ کیسا ہونا چاہیے۔

آپ کو بچے کے ساتھ اس بات کو احساس دلانا ہوگا کی ایک والد صرف اس وجہ سے والد نہیں بن جاتا ہے، کیونکہ اسکی وجہ سے آپ دنیا میں آئے ہیں۔ بلکہ آپکی ماں کے ذریعے سے جتنی سکون آرام راحت اور چین ملی ہے اُسکا پورا دارومدار اس والد پر تھا جو آپکو ماں کے ذریعے سے ملی جو آپکو ہر پل ماں محسوس کراتی تھی۔

اگر ماں آپکو سیدھے طور پر راحت سکون اور آرام پہنچاتی تھی تو آپکے والد بھی بذریعہ ماں کے راحت سکون اور آرام دلاتے تھے۔ ذرا سوچو اگر آپکے والد ایک دن باہر روزی حاصل کرنے نہ جائیں تو گھر میں روزی کا بندوبست اور کون ہے جس کے ذریعے ہوسکتا تھا۔ کون تھا جو آپکے لیے جب آپ ماں کی گود میں تھے تو آپ کی ہر ضرورت کی چیز باہر سے لے کر آپکی ماں کو مہیا کراتا تھا، تاکہ آپ اس سے مستفید ہوسکیں۔

ذرا سوچو گرمی کا مہینہ اور دھوپ کی شدت میں باپ کے سوا اور کون ہے جو آپکے لیے باہر سے قسم قسم کی چیز لاکر رکھتا تھا اور آپکے ہر آسان ہر آرائش اور ہر فرمائش کو پوری کرتا تھا۔

جب آپ گھر پر سکون سے سو رہے ہوتے تھے تو وہ کون ہوتا ہے جو پہلے آپکو محبت بھری نظروں سے دیکھتا ہے اور پھر اسی محبت بھری نظروں سے آپ کی پیشانی کو چوم لیتا ہے۔ سوچو ذرا وہ والد کے سوا اور کون ہوسکتا ہے۔

وہ والد ہی تو ہوتا ہے جسکے جیب میں پیسہ نہ ہونے کے باوجود آپکی ہر فرمائش پوری کرتا رہتا ہے۔

وہ کون ہے جو آپکو اپنی حیثیت سے زیادہ اچھے کھانے پہننے اور پڑھانے لکھانے کی کاوش کرتا ہے۔ کون ہوتا ہے ایک ذرا سی بخار پر اپنے سارے آرام کو چھوڑ کر سب سے پہلے دواخانا آپکو لے جاتا ہے، کون ہوسکتا ہے بتاؤ ذرا، آخر وہ آپکے والد کے سوا اور کوئی ہوسکتا ہے کیا؟

اگر نہیں تو پھر کیوں بات بات میں اُن سے بدزبانی کرتے ہو، بات بات میں اُن پر ہی سوال کردیتے ہو، بات بات میں اپنی ایک خواہش پوری نہ ہونے پر زندگی بھر کی پرورش پر سوال اٹھادیتے ہو؟

کیا ہوا اگر ایک والد کی حیثیت سے بول دیا یا ایک تماچہ مار دیا ہوگا؟ اس میں بھی غلطی آپکی ہی رہی

ہوگی۔ اور اگر آپکے والد نہیں ماریں گے تو ہے دنیا کی کوئی طاقت جو آپکی طرف انگلی بھی اٹھادے۔

اگر ایسا نہیں ہے تو آپکو اپنے والد سے ناراض ہونے، ان سے غلط طریقے سے بات کرنے انکو اپنی باتوں سے نقصان پہنچانے انکو تکلیف دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔" اور جب والدین اپنی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہیں"

اس طرح کے احساس کے ساتھ جب ایک ننھا بچہ اپنے گھر میں پرورش پائیگا تب وہ رشتوں کی قدر کو پہچانے گا اور ہر ایک رشتے کو جان کر اور پہچان کر کو اُنکے ادب واحترام کا لحاظ رکھے گا۔

آگے چل کر یہی انہی رشتوں کی قدر اسکو دنیا کی ہر مشکل سے لڑنے کی قوّت دیں گے، ہر پریشانی کو ہل کرنے کی صلاحیت دیں گے اور ساتھ ہی ساتھ آنے والی نسلوں میں آنے والی خاندانوں میں ایسی محبت اور رشتوں کی اہمیت برقرار رہ سکے گی اور ایک بہترین مثالی گھر اور خاندان وجود میں آئیگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رشتوں کو پہچاننے اُنکی قدر کرنے کہ توفیق دے۔

عفراء بتول سحر۔ملتان

غزل

جہاں خلوص نہ ہو اس جگہ پہ جانا کیا
وفا کے نام پہ آخر فریب کھانا کیا
لگی ہے چوٹ میرے دل پہ آپ واقف ہیں
چھپا کے درد میرے یار مسکرانا کیا
تجھے یقین نہیں میرے پیار کا شاید
ہمارے پیار کو سمجھا ہے تو فسانہ کیا
ہمارے سوز و دردوں کا اگر علاج نہیں
تمہی بتاؤ کہ بےفیض دل جلانا کیا
سنا ہے دنیا تو دو دن کا بس ٹھکانہ ہے
سدا رہے گا یہاں تیرا آب و دانہ کیا
صبح تو آئے گی لیکن یہ غیر ممکن ہے
پلٹ کے آئے گا گزرا ہوا زمانہ کیا
خدا کا خوف نہیں اب تمہیں ذرا بھی سحؔر
بنا رہی ہے جہنم میں تو ٹھکانہ کیا

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning:9:00 am to 3:00 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

MADRASA ISLAMIA NAJMUL ULOOM
Shahi Hills, Near Masjid Noor Ali, Shaheen Nagar, Hyderabad.
SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم
شاہی ہلز نزد مسجد نور علی، شاہین نگر، حیدرآباد
Regd No: 180/2016

زیرانتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.................. گرامی قدر محترم! امید ہے کہ آپ اپنے متعلقین کے ساتھ بخیر وعافیت ہوں گے

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے خَیْرُکُم مَن تَعَلَّمَ القُرآن وَعَلَّمَه۔ تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی علم کی نشرواشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد میں ۱۵ر جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تا کہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ رب العزت ان مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

مدرسہ ہذا اور ٹرسٹ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔ ٹرسٹیوں کے مشورے سے ٹرسٹ اور مدرسہ کے لیے تین سوستائیس (327) رگز زمین شاہی ہلز شاہین نگر میں خریدی جاچکی ہے، جس کی مجموعی قیمت چھتیس لاکھ ستّر ہزار تھی۔ الحمدللہ اہل خیر کے تعاون سے بیشتر رقم ادا کردی گئی ہے، ابھی اس مد میں ادارہ دس لاکھ کا مقروض ہے۔ آئندہ ماہ سے ان شاءاللہ تعمیری کام شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ اس لیے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ نقد اور اشیاء سے تعاون فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

Bank Name: IDBI CURENT ACCOUNT
A/c Number: 1327104000065876
A/c Name: SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code: IBKL0001327. Branch: Charminar

حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Google Pay: **8317692718** WhatsApp: **9392533661**